سیرت
رسول اکرم ﷺ
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

سیرت رسول اکرم ﷺ

از

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی

دار عرفات، رائے بریلی، ۲۲۹۰۰۱۔ (یوپی)

۱۴۲۹ھ ——— ۲۰۰۸ء

نام کتاب : سیرت رسول اکرم ﷺ
نام مصنف : حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
صفحات : ۳۶۴
تعداد اشاعت : ۱۰۰۰
طباعت : کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ
قیمت : مجلد ۱۰۰ روپئے، غیر مجلد ۸۵ روپئے
ناشر : سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

فہرست

مقدمہ

از:۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ العالی، ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ ،

رسول کریم خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی خصوصیات کو کہیں قرآن مجید میں ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾[1] فرمایا گیا" کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی اس کی فرمائی ہوئی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں، اور دانائی کی باتیں بتاتے ہیں، اور اخلاق کی درستگی سکھاتے ہیں" اور کہیں فرمایا گیا، ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾[2] "کہ آپ ﷺ عظیم اخلاق و کردار کے حامل ہیں۔" اور کہیں فرمایا گیا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً﴾[3] "کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے، یہ اس کے لئے ہے جو اللہ سے امید کرتا ہو، اور آخرت کے دن

---

[1] سورہ جمعہ، آیت۔۲، [2] سورہ قلم، آیت۔۴، [3] سورہ احزاب، آیت۔۲۱،

سے امید رکھتا ہو، اور جس نے اللہ کو بہت یاد کیا ہو۔" الغرض یہ کہ مؤمن کے لئے اللہ کے آخری اور برگزیدہ رسول حضرت محمد مصطفٰے ﷺ روشنی کا مینار ہیں، اپنی زندگی کے لئے ان سے روشنی حاصل کرنا، ان کے نقش قدم پر چلنا، اور زندگی کے کردار و اخلاق وصفات میں ان کو اپنے لئے نمونہ بنانا ہر مسلمان کا فرض ہے، اسی میں صلاح وفلاح ہے، اور یہی مرد مؤمن کا وطیرہ وطریقہ ہے، اور جب اور جس نے اس وطیرہ اور طریقہ سے انحراف کیا یا تغافل برتا، وہ صحیح راستہ سے دور ہوا اور اس کی زندگی جادۂ مستقیم سے ہٹ گئی۔

حضور ﷺ کے اسوہ کو سمجھنے اور ان کی پیروی کرنے کے لئے دو اہم شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ آپ ﷺ سے وفادارانہ اور محبانہ تعلق ہو، اور وہ ایسا ہو کہ اس ذات عظیم پر سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہو، صرف زبان سے محبت کا اظہار نہ ہو، بلکہ وہ حقیقت ہو، اور اس میں اخلاص ہو، جیسا کہ صحابۂ کرام کو تھا، کہ اسلام کی وفاداری کی سزا میں قتل کئے جارہے ہیں، اور ان سے پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ بتاؤ کہ کیا تم اس کو قبول کروگے کہ تمہاری جگہ اس وقت تمہارے نبی محمدؐ ہوتے اور تم بچ جاتے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ میں تو اس کے لئے بھی تیار نہیں کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک میں کانٹا چبھے اور میں اس کے عوض میں موت سے بچ جاؤں۔ حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ اپنے ایک مدحیہ شعر میں کہتے ہیں ؎

فَاِنَّ أَبِیْ وَوَالِدَہٗ وَ عِرْضِیْ   لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَاءُ

(کہ میرے باپ اور دادا اور خود میری عزت وآبرو سب حضرت محمد ﷺ کی

عزت کی حفاظت کے لئے نشانہ اور ڈھال ہے)

بلکہ ایک اور جنگ سے واپس آنے والوں سے ایک خاتون پوچھتی ہیں کہ ہمارے حضور ﷺ خیریت سے ہیں؟ جواب دینے والا کہتا ہے، مگر تمہارے والد شہید ہو گئے، وہ پوچھتی ہیں کہ ہمارے حضور ﷺ خیریت سے ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ تمہارے شوہر بھی کام آ گئے، وہ پوچھتی ہیں کہ یہ بتاؤ کہ حضور ﷺ خیریت سے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہاں آپ ﷺ خیریت سے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ "حضور ﷺ رہیں تو ہر مصیبت کمتر ہے۔" اگر مؤمن میں ایسی یا اسی سے قریب تر محبت نہ ہو تو حضور ﷺ کی سچی اور مخلصانہ پیروی، تابعداری اور وفاداری نہیں ہو سکتی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ یعنی اخلاق و صفات، بندگان خدا سے آپ ﷺ کی ہمدردی، آپ ﷺ کا حسن معاملہ، اپنے سے برا چاہنے والوں کے ساتھ آپ ﷺ کا حسن سلوک، رضائے الٰہی کی آپ ﷺ کی طلب، آخرت کی فکر، ہر ایک کے لئے ہمدردی اور خیر طلبی، دنیا و دین میں اس کی کامیابی کی فکر، اس کے صلاح و فلاح کا خیال، یہ سب جاننے کی کوشش کی جائے، اور معلوم کیا جائے کہ آپ ﷺ انسانوں کے ساتھ اخلاق و محبت کا کیا برتاؤ کرتے تھے، اپنے اہل و عیال کے ساتھ کیسی شفقت کرتے تھے، غیروں اور دوسروں کے ساتھ کیسی ملاطفت و ہمدردی کرتے تھے، لوگوں کی دینی اصلاح اور ان میں خدا طلبی کا جذبہ کس طرح پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، آپ ﷺ

پروردگار کی رضاء کے حصول اور اس کی ناراضگی کے کاموں سے بچنے کیلئے کیسی تربیت وتلقین کرتے تھے۔

یہ دو شرطیں ہیں جن کے ذریعہ ایک مؤمن کو اپنی زندگی سنوارنا، اور اپنے ایمان کو سچا بنانا ہوتا ہے، یہ شرطیں پوری ہوں تو یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، اور یہ شرطیں پوری نہ ہوں تو مقصد حاصل نہیں ہوتا، حضور ﷺ کی سیرت طیبہ معلوم کر کے اس کی پیروی نہ کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم حضور ﷺ کے تابعدار ہیں جوڑ نہیں کھاتا۔

بعض وقت آدمی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو حضور ﷺ سے بڑی محبت ہے لیکن آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو جاننے کی کوئی فکر نہیں کرتا، اور اس سیرت طیبہ کے مطالعہ سے حاصل ہونے والے اخلاق وصفات کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتا، ایسے آدمی کا دعویٰ کیسے سچا مانا جائیگا۔

لیکن حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کی باتیں ہر شخص کو کتابوں میں تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے، اس کے لئے علماء کی تقریریں اور حضور ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی کتابیں سب سے بڑا ذریعہ ہیں، ہر مؤمن کو ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے، لیکن بعض کتابیں بڑی عالمانہ ہیں، بعض بہت سی ایسی تفصیلات پر مشتمل ہیں جن کو جاننے کے لئے وقت چاہئے، اس لئے ہر کس وناکس کے لئے آسانی نہیں پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندویؒ نے تبلیغی مراکز کے ہفتہ واری

اجتماع میں پڑھنے کے لئے سیرت طیبہ کے واقعات، اخلاق وصفات، دعوتی واصلاحی طرز پر مشتمل حصوں کو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی بڑی کتابوں سے نکال کر ایک مستقل کتاب ترتیب دی تھی جو تبلیغی مراکز میں قلمی مسودہ سے پڑھی جاتی تھی، اس سے حاضرین کو بہت فائدہ ہوتا تھا، سیرت طیبہ کے یہ واقعات زندگیوں کو سدھارنے، ان میں ایمانی جذبہ پیدا کرنے کا بڑا کام دیتے تھے، یہ سلسلہ چلتا رہا، حتیٰ کہ عزیزی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی سلمہٗ نے جو حضرت مولاناؒ کے مسوّدات سے واقف تھے، وہ مسوّدہ نکالا، اور اس کو قابل طباعت واشاعت بنانے کا ضروری کام انجام دیا، اب یہ کتاب پریس سے جلد باہر آنے والی ہے، کتاب کی ضخامت نہ زیادہ ہے نہ کم ہے، وہ نہ محض فضائل ومعجزات کی حامل ہے، اور نہ ہی تاریخی واقعات کا دفتر ہے، وہ ایمانی تربیت، اخلاقی درستگی، خدا طلبی، انسانی ہمدردی، خدا کی بندگی اور مخلوق خدا کی خدمت کے واقعات پر مشتمل ہے، اور اس طرح وہ ایک مؤمن کے کردار کو سنوارنے اور بنانے والی ہے، ضرورت ہے کہ اس کو بہت عام کیا جائے، تاکہ وسیع فائدہ ہو۔ عزیزی مولوی بلال حسنی سلمہٗ نے مجھ کو بھی اس سعادت میں شریک کرنے کیلئے دیباچہ کی فرمائش کی، جو میں اپنے کم قیمت الفاظ اور کمتر حیثیت کی عبارت میں اس شرف میں شرکت کی غرض سے لکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

۱۱ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

عرض حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ، مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْد :

راقم آثم خدا کے سامنے سر بسجود ہے اور اسکی زبان حمد وثنا بیان کرنے سے قاصر ہے کہ آج سیرت نبویؐ پر ایسی کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے جو تقریباً پچاس سال قبل اللہ کے ایک مخلص ومحبوب بندے کے ہاتھوں مرتب ہوئی تھی اور ایک عرصہ تک دعوتی اجتماعات میں پڑھ کے سنائی جاتی رہی، لیکن زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی۔

دس سال قبل ہمارے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ محفوظ خاندانی مخطوطات ونوادرات ملاحظہ فرمارہے تھے کہ اچانک یہ کتاب سامنے آئی جو مسودہ کی شکل میں تھی اس سلسلہ میں حضرت والاؒ نے فرمایا کہ جب ہمارا قیام مسجد مرکز تبلیغ ودعوت لکھنؤ میں تھا اس وقت یہ احساس پیدا ہوا کہ سیرت نبویؐ پر کوئی مجموعہ مرتب ہونا چاہئے جو تبلیغی ودعوتی اجتماعات میں بھی پڑھ کر سنایا جاسکے، اس کے لئے علامہ شبلیؒ کی ''سیرت النبیؐ [1]'' اور قاضی سلیمان صاحب

[1] یہ ملحوظ رہے کہ بیشتر حصہ ''سیرت النبیؐ'' سے ماخوذ ہے۔

منصور پوریؒ کی ''رحمۃ للعالمین'' کو سامنے رکھ کران مؤثر واقعات کا انتخاب کیا گیا جو دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے رہنما ہوں، اور ساتھ ساتھ دل کو حرارت ایمانی اور جوش اسلامی سے معمور کرنے والے ہوں۔

اس وقت ناکارہ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس کی طباعت کا انتظام ہونا چاہئے، لیکن اس کے اظہار کی ہمت نہ ہوئی، ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَراً مَّقْدُوْرَا﴾

رمضان المبارک میں عرصہ سے حضرت کا قیام دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں میں رہتا ہے، حضرت سے تعلق رکھنے والوں کی ایک تعداد رمضان المبارک یکسوئی سے گزارنے کے لئے موجود رہتی ہے، جن کی تعلیم و تربیت کی خاطر دروس کا اہتمام ہوتا ہے، اور مختلف دینی و دعوتی کتابیں بھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، [1] دو سال قبل عم مخدوم و معظم مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ سیرت پر بھی کوئی مختصر کتاب ہونی چاہئے، اس عاجز کا ذہن اسی کتاب کی طرف گیا جو ابھی تک مخطوطہ تھی، برادر اکبر مشفق و مکرم مولانا عبداللہ حسنی صاحب ندوی مدظلہ العالی نے بھی کتاب ملاحظہ فرما کر اس کی تائید فرمائی اور کتاب پڑھی جانے لگی۔ اس کا مجمع پر ایسا اثر ہوا کہ ہر طرف سے اس کی طباعت کا تقاضہ شروع ہو گیا، حضرت والاؒ سے عرض کیا گیا تو حضرت نے اجازت مرحمت فرمادی، اور اس

---

[1] حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد بھی حضرت کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

ناکارہ کو اس کی مراجعت کا حکم فرمایا، دوسری ایک مشکل یہ بھی درپیش تھی کہ درمیانی کئی صفحات غائب تھے، خاص طور پر وفات کا پورا واقعہ اس میں مذکور نہ تھا۔ مگر محض اللہ کا فضل تھا کہ اس نے مراجعت کی بھی توفیق عطا فرمائی، اور یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ صحاح کی کتابوں میں اگر حوالہ مل سکے تو اس کو درج کیا جائے، جو نقص رہ گیا تھا وہ علامہ شبلیؒ کی ''سیرت النبی'' اور حضرتؒ کی ''نبی رحمت'' کو سامنے رکھ کر پورا کر دیا گیا، عنوانات نبی رحمت کو سامنے رکھ کر قائم کر دیئے گئے، اب الحمدللہ! یہ مکمل کتاب ناظرین کے سامنے ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام کرے، اس کو نجات ومغفرت کا وسیلہ بنائے۔

یہاں پر یہ بات عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ سیرت کی ایک مختصر اور مؤثر کتاب ہے اور عام لوگوں کے لئے مفید تر ہے، اور اس قابل ہے کہ مساجد ومجامع میں پڑھ کر سنائی جائے، لیکن محققین وباحثین اور سیرت کا تفصیل سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے خود مصنفِ کتاب نے ''السیرۃ النبویہ'' کے نام سے ضخیم کتاب تصنیف فرمائی، جس میں حضرتؒ نے سیرت کے بعض ایسے پہلو بیان کئے ہیں جن کی طرف عام سیرت نگاروں کی نگاہ نہیں جاتی، عالمی جاہلیت پر تفصیل سے مغربی مآخذ کو سامنے رکھ کر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا اردو میں ترجمہ راقم کے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی صاحبؒ نے کیا ہے اور کتاب ''نبی رحمت'' کے نام سے مقبول عام ہے اور اس کے کئی ایڈیشن مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

اخیر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے کسی بھی

شکل میں اس سلسلہ میں تعاون فرمایا، عم مخدوم و معظم مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ نے کتاب پر مقدمہ تحریر فرما کر اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی۔

عزیزی القدر مولوی مختار احمد ندوی نے تحریر و کتابت اور مقابلہ میں بڑا تعاون کیا اور محترم و معظم مولانا محمد رضوان صاحب ندویؒ نے طباعت کے مرحلہ پر بڑی مدد فرمائی، اللہ تبارک و تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر مرحمت فرمائے اور اس عمل کو قبول فرما کر ذخیرہ حسنات بنائے۔[1] ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ أُنِيْبُ، وَلَهُ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.﴾

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دار عرفات دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی

---

[1] محترمی مولوی سید محمد سلمان نقوی ندوی صاحب اور محترمی ماسٹر خورشید اختر صاحب مدرس مدرسہ ضیاء العلوم بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ کتابت جیسے دشوار گذار مرحلہ میں ان دونوں نے تعاون کیا۔

مقدمہ طبع دوم

الحمد للّٰہ وحدہٗ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد:

اس کریم رب کا شکر ادا نہیں ہوسکتا جس کی توفیق سے تین چار سال قبل یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھی یہ اسی رب کریم کا انعام ہے کہ کتاب کو قبولیت ملی اور بہت سے اللہ کے بندوں کو اس سے نفع پہونچا، یہ بھی محض اس کا فضل تھا کہ حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ میں یہ کتاب شائع ہوئی اور حضرتؒ اس کو دیکھ کر مسرور ہوئے۔

کتاب کا دوسرا ایڈیشن نئی کمپوزنگ اور تصحیحات کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی قبولیت اور افادیت کو اور زیادہ کرے، اور اس ناکارہ کی مغفرت ونجات کا ذریعہ فرمائے۔

اس ایڈیشن کے لئے خاص طور پر عزیزان عزیز القدر مولوی مختار احمد ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ (مدرس مدرسہ ضیاء العلوم)، مولوی ملک انور کمال ندوی اور مولوی رحمت اللہ ندوی (مدرس مدرسہ فلاح المسلمین) کا شکریہ

ادا کیا جاتا ہے، جنھوں نے پروف کی تصحیح کی اور کتاب کی اشاعت کے لئے محنت کی، اللہ تعالی ان سب کو اجر عطا فرمائے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی
گوشہ مفکر اسلام، دار عرفات، رائے بریلی
۶/ذی القعدہ ۱۴۲۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولادت باسعادت

ہمارے نبی ﷺ موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول [۱]، سن عام الفیل [۲]، مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بعد از صبح صادق وقبل از طلوع آفتاب پیدا ہوئے، حضور ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے، [۳] والد بزرگوار کا آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے انتقال ہوگیا تھا۔ [۴]

عبد المطلب آنحضرت ﷺ کے دادا نے خود بھی یتیمی کا زمانہ دیکھا

---

[۱] ابن اسحاق نے ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ نقل کی ہے، ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۱، صحیح روایات میں دوشنبہ کے دن کی صراحت موجود ہے، صحیح مسلم کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ أیام من کل شہر۔

[۲] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۱، عام الفیل کی روایت امام ترمذی نے سنن کی کتاب المناقب میں نقل کی ہے اور اس کی تحسین بھی فرمائی ہے۔

[۳] "رحمۃ للعالمین" قاضی سلیمان صاحب منصور پوری۔

[۴] مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۳۱۷، مستدرک حاکم ۲،۵،۶ حاکم نے اس روایت کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے توثیق فرمائی ہے۔

تھا، اپنے ۲۴ رسالہ نوجوان پیارے فرزند عبداللہ کی اس یادگار کے پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی گھر میں آئے اور بچہ کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا مانگ کر واپس لائے،[1] ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کی دعوت کی، دعوت کھا کر لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے بچے کا نام کیا رکھا، عبدالمطلب نے کہا ﴿ مُحَمَّدٌ ﴾ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروّجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ کہا میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستائش اور تعریف کا شایان قرار پائے۔[2]

ایام رضاعت

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثوؔیبہ نے دودھ پلایا، جو ابولہب کی لونڈی تھی[3] اس زمانہ میں دستور تھا کہ شہر کے رؤساء اور شرفاء شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے، اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں، ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں، اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۔۱۶۰، طبقات بن سعد ۱۔۱۰۳، تہذیب تاریخ دمشق ۱۔۲۸۴

[2] تہذیب تاریخ دمشق ۱۔۲۸۲، البدایہ والنہایہ ۲۔۲۶۴

[3] صحیح بخاری کتاب النکاح، باب لایتزوج اکثر من اربع کے بعد والا باب،

آیا، آنحضرت ﷺ کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا، تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچہ کو لیکر کیا کرونگی، لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جاسکتی تھیں اس لئے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی اور آنحضرت ﷺ کو لے کر گئیں، دو برس کے بعد حلیمہ آپ ﷺ کو مکّہ میں لائیں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی، آپکی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ، دوبارہ گھر میں لائیں[۱] حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو بے انتہا محبت تھی، حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبدالعزّیٰ ہے، وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد مکّہ آئے، آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی اور کہا یہ تم کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ دن آئیگا کہ میں آپ کو دکھادونگا کہ میں سچ کہتا تھا، حارث مسلمان ہوگئے۔[۲]

والدہ اور دادا کی وفات اور چچا ابوطالب کی کفالت

آنحضرت ﷺ کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں چونکہ آنحضرت ﷺ کے دادا کا ننہال خاندان نجار میں تھا،

---

[۱] سیرت النبی ج۱ ص۱۷۲-۱۷۳، حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعت کا ذکر مشہور عام ہے۔ اصحاب سیر نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک ۲-۲۱۶ میں، امام احمد نے مسند ۴-۱۸۴ میں، داری نے سنن ۱-۸ میں، طبرانی نے معجم میں اور ابن حبان نے موارد الظمآن میں حضرت حلیمہ کی رضاعت بیان فرمائی ہے۔ اور شق صدر کا مشہور واقعہ جو طفولت میں پیش آیا، بنو سعد میں قیام کے دوران پیش آیا تھا۔ اس واقعہ کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں بیان فرمایا ہے۔ کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ ﷺ۔

[۲] الاصابہ ابن حجر عسقلانی ج۱ ص۲۸۳

وہیں ٹھہریں، اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں، جو آنحضرت ﷺ کی دایہ تھیں، ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں، واپس آتے وقت جب مقام ابوا میں پہونچیں تو ان کا انتقال ہوگیا اور یہیں مدفون ہوئیں، ام ایمن آنحضرت ﷺ کو لے کر مکہ آئیں۔ [1]

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو اپنے دامن تربیت میں لیا ہمیشہ آپ کو ساتھ رکھتے تھے۔ [2] عبدالمطلب نے ۸۲/برس کی عمر میں وفات پائی، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ [3] عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت ﷺ بھی ساتھ تھے، اور فرط محبت سے روتے تھے، عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو آنحضرت ﷺ کی تربیت سپرد کی، ابوطالب آنحضرت ﷺ سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، سوتے تو آنحضرت ﷺ کو ساتھ لیکر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لیکر جاتے۔ [4]

غالباً جب آپکی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ ﷺ نے بکریاں چرائیں۔ [5] یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، زمانہ رسالت میں آپ ﷺ اس

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۔۱۵۵، طبقات ابن سعد ۱۔۱۱۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱۔۱۸۸۔

[2] مصنف عبدالرزاق ۵۔۳۱۸

[3] دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲، ص ۲۲۔ السیرۃ النبویۃ للذہبی ص ۲۵

[4] سیرت النبی ج ۱، ص ۱۷۷

[5] صحیح البخاری کتاب الاجارہ، باب رعی الغنم علی قراریط۔

سادہ اور پر لطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے صحابہ بیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپ نے فرمایا جو زیادہ سیاہ ہو جاتی ہیں زیادہ مزے کی ہوتی ہیں۔ یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ [۱]

ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا دستور تھا، سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام جایا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابو طالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلے تو آپ ﷺ ان سے لپٹ گئے ابو طالب نے آپ ﷺ کی دل شکنی گوارہ نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ [۲]

حرب الفجار اور حلف الفضول میں شرکت

عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے، ان میں جنگ فجار سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی، یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی تھی۔ چونکہ قریش اس جنگ میں برسر جنگ تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی شرکت فرمائی لیکن آپ ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ [۳]

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۸۰۔ [۲] سنن ترمذی باب المناقب، باب ماجاء فی بدء النبوۃ ﷺ۔

[۳] سیرت ابن ہشام ۱۔۱۹۵۔ الروض الأنف سہیلی ۱، ۱۲۰۔

لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سیکڑوں گھرانے برباد کردئے تھے اور قتل وسفا کی موروثی اخلاق بن گئے تھے، یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی، جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول ﷺ کے چچا اور خاندان کے سرکردہ تھے، یہ تجویز پیش کی، چنانچہ خاندان ہاشم، زہرہ اور تیم، عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔[۱] آنحضرت ﷺ اس معاہدہ میں شریک تھے، اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔[۲]

ابو طالب کے ساتھ آپ ﷺ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت ﷺ سے خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا، میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا، اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہونچا تو آنحضرت ﷺ کو

---

[۱] طبقات بن سعد ج ۱، ص ۸۲۔

[۲] مستدرک حاکم ۲، ۲۱۹۔۲۲۰۔ امام ذہبی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ امام بخاری نے الادب المفرد اور بیہقی نے سنن میں اس کی تخریج کی ہے۔

اسی جگہ منتظر پایا، لیکن اس وعدہ خلافی سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی، میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔[1]

حضرت خدیجہؓ سے رشتۂ ازدواج

مکہ میں نہایت شریف خاندان کی ایک بیوہ عورت خدیجہ تھیں، وہ بہت مالدار تھیں، اپنا روپیہ تجارت میں لگائے رکھتی تھیں، انھوں نے آنحضرت ﷺ کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپ ﷺ کی سچائی، دیانت داری، سلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے خود درخواست کردی کہ ان کے روپیہ سے تجارت کریں، آنحضرت ﷺ ان کا مال لیکر تجارت کو گئے، اس تجارت میں بڑا نفع ہوا، اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی تھا، اس نے آنحضرت ﷺ کی ان تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا جو سفر میں خود دیکھی تھیں، ان اوصاف کو سن کر خدیجہؓ نے درخواست کر کے آنحضرت ﷺ سے نکاح کرلیا، حالانکہ حضرت خدیجہؓ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواستِ نکاح رد کر چکی تھیں۔[2]

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی الوعد،

[2] حضرت خدیجہؓ کے تجارتی مال کولیکر سفرِ شام کا تذکرہ حاکم نے مستدرک میں کیا ہے ۳،۱۸۲، اور امام ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ نکاح کا بھی امام حاکم نے ذکر کیا ہے۔ اور زرقانی نے اس کے حالات تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری میں زبانِ نبوت سے انکے فضائل کا تذکرہ موجود ہے،

کعبہ کی تعمیرِ نو اور ایک بڑے فتنے کا سدِّ باب

ان دنوں لوگوں کے دلوں پر آنحضرت ﷺ کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو نام لیکر نہیں بلاتے تھے بلکہ صادق یا امین کہہ کر پکارتے تھے، آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ رسال کی تھی جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو (جس کی دیواریں سیلاب کے صدمے سے پھٹ گئی تھیں) ازسرِ نو تعمیر کرایا[1] عمارت کے بنانے میں تو سب ہی شامل تھے مگر جب حجرِ اسود کے قائم کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف ہوا کیونکہ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ کام اسی کے ہاتھ سرانجام پائے، نوبت یہاں تک پہونچی کہ تلواریں کھنچ گئیں، عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعویداروں نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا، پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمّر تھا رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے وہی ثالث قرار دیدیا جائے، سب نے یہ رائے تسلیم کی، خدا کی قدرت اتفاقاً آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے، آنحضرت ﷺ کو دیکھنا تھا کہ ''هٰذَا الأَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ'' کے نعرے لگ گئے (امین آ گیا ہم سب اس کے فیصلے پر رضامند ہیں) آنحضرت ﷺ نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ایک چادر بچھائی اس پر پتھر اپنے

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۵۔۱۰۲، امام ذہبی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہاتھ سے رکھ دیا پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار کو کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں، اسی طرح اس پتھر کو وہاں تک لائے جہاں قائم کرنا تھا، آنحضرت ﷺ نے پھر اسے اٹھا کر کونے پر اور طواف کے سرے پر لگا دیا[1] آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تدبیر سے ایک خونخوار جنگ کا انسداد کر دیا، ورنہ اس وقت کے اہلِ عرب میں ریوڑ کے پانی پلانے، گھوڑوں کے دوڑانے، اشعار میں ایک قوم سے دوسری قوم کو اچھا بتانے، جیسی ذرا ذرا سی باتوں پر ایسی جنگ ہوتی تھی کہ بیسیوں برس تک ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔

آسمانی تربیت

آپ ﷺ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصبِ نبوت سے ممتاز نہیں ہوئے تھے، مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے، ایک دفعہ قریش نے آپ ﷺ کے سامنے کھانا لا کر رکھا، یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا، جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا[2] آپ ﷺ نے نبوّت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ ﷺ کو اعتماد تھا ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ جس زمانے میں پیدا ہوئے، مکہ بت پرستی کا

---

[1] مسند احمد ۳، ۴۲۵ـ۱، ۴۵۸، مستدرک، حاکم ۳ـ ۴۵۸ و کتب سیَر

[2] صحیح بخاری میں اس طرح کے واقعات مذکور ہیں، کتاب المناقب، مناقب ذکر زید بن عمرو بن نفیل

[3] مستدرک حاکم ۳ـ ۲۱۶، معجم کبیر طبرانی ۵ـ ۸۸

مرکز اعظم تھا، خود خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، رسول اللہ ﷺ کے خاندان کا تمغۂ امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس بت کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے، بایں ہمہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا، دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی، قریش نے اس بناء پر کہ ان کو عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہئے، یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کیلئے عرفات جانا ضروری نہیں اور وہ لوگ جو باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں، ورنہ ان کو برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا، چنانچہ اسی بناء پر طوافِ برہنہ کا عام رواج ہو گیا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ [۱]

عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا، راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے، ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا داستان شروع کرتا، لوگ بڑے ذوق وشوق سے رات رات بھر سنتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا تھا لیکن اتفاق سے راہ میں ایک شادی کا کوئی جلسہ تھا دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے وہیں نیند آ گئی، اٹھے تو صبح ہو چکی تھی، ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا اس دن بھی یہی واقعہ پیش آیا، چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچا لیا [۲] کہ ''تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔''

[۱] اس کا ذکر بھی بخاری میں موجود ہے۔

[۲] الروض الانف سہیلی ۱/۱۱۲

انسانیت کی صبحِ صادق اور بعثتِ مبارک

بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا، آنحضرت ﷺ کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی، آنحضرت ﷺ اکثر پانی اور ستو لیکر شہر سے کئی کوس پرے سنسان جگہ کوہِ حراء کے ایک غار میں جا بیٹھتے، عبادت کیا کرتے، اس عبادت میں اللہ کا ذکر بھی شامل تھا، اور قدرتِ الٰہیہ پر غور و فکر بھی، جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جائے شہر نہ آیا کرتے، اب آنحضرت ﷺ کو خواب نظر آنے لگے، خواب ایسے سچے ہوتے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے، دن میں ویسا ہی ظہور میں آجاتا، ایک دن جب کہ آپ ﷺ حسبِ معمول غارِ حراء میں تھے کہ فرشتہ نظر آیا، اس نے کہا پڑھئے، آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے آپ ﷺ کو اس زور سے دبوچا کہ آپکی ساری طاقت صرف ہوگئی، پھر اس نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے آپ ﷺ کو پوری طاقت سے دبوچا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے، آپ ﷺ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر پوری قوت سے دبوچا اور چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے، آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا، اس نے یہ آیتیں پڑھیں:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ

الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، ﴾

''شروع ہے اللہ کے نام سے جو کمال رحمت اور نہایت رحم والا ہے۔ پڑھئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا، جس نے انسان کو پانی کے کیڑے سے بنایا، (ہاں) پڑھتے چلے جایئے آپ کا پروردگار تو بہت کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی (جس نے) انسان کو سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

اس واقعہ کے بعد نبی کریم ﷺ فوراً گھر آئے اور لیٹ گئے، بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا اڈال دو، جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے کہا، نہیں آپ کو ڈر کاہے کا، میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقرباء پر شفقت فرماتے ہیں، سچ بولتے ہیں، رانڈوں، یتیموں، بیکسوں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، اصل مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں، خدا آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہ فرمائے گا، اب خدیجۃ الکبریٰؓ کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی، اس لئے وہ نبی کریم ﷺ کو ساتھ لیکر اپنے رشتہ کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو عبرانی زبان جانتے تھے اور توریت وانجیل کے ماہر تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر نبی کریم ﷺ نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبرئیلؑ کے آنے، بات کرنے کا واقعہ بیان

فرمایا، ورقہ جھٹ بول اٹھے یہی وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا، کاش میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب قوم آپ کو نکال دے گی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، کیا قوم مجھ کو نکال دے گی؟ ورقہ بولے ہاں! اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی، اس سے شروع میں عداوت ہی ہوتی رہی، کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور کی نمایاں خدمت کروں۔ [1]

ایک دن روح الأمین نبی کریم ﷺ کو دامنِ کوہ میں لائے نبی کریم ﷺ کے سامنے خود وضو کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی وضو کیا پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی روح الأمین نے نماز پڑھائی [2]

اسلام کی تبلیغ و دعوت

نبی کریم ﷺ نے تبلیغ شروع کر دی خدیجہؓ (بیوی) علیؓ (بھائی عمر آٹھ سال) ابو بکرؓ (دوست) زید بن حارثہؓ (مولیٰ) پہلے ہی دن مسلمان ہو گئے، ان اشخاص کا ایمان لانا جو آنحضرت ﷺ کی چالیس سالہ ذرا ذرا سی حرکات و سکنات سے واقف تھے، نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ صداقت اور راست بازی کی روشن دلیل ہے، بلال، عمرو بن عبسہ، خالد بن سعد بن عاص بھی چند روز کے بعد ہی مسلمان ہو گئے، ابو بکرؓ بڑے مالدار تھے، تجارت کرتے تھے، مکہ میں ان کی

---

[1] پورا واقعہ صحیح بخاری کے باب بدء الوحی اور صحیح مسلم کے کتاب الایمان باب بدء الوحی میں مفصل مذکور ہے، اسکی بھی صراحت ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف چالیس سال تھی۔

[2] الانساب للبلاذری ۱۔۱۱۱،

دکان بزازی کی تھی، لوگوں سے ان کا بہت میل ملاپ تھا، ان کی تبلیغ سے عثمان غنیؓ، زبیرؓ، عبدالرحمان بن عوفؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ مسلمان ہوئے پھر ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراحؓ، (جن کا لقب بعد میں امین الأمۃ ہوا) عبدالاسد بن بلال، عثمان بن مظعون، عامر بن فہیرہ ازدی، ابو حذیفہ بن عتبہ، سائب بن عثمان بن مظعون اورارقم مسلمان ہوئے، عورتوں میں ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بعد نبی ﷺ کے چچا عباس کی بیوی ام الفضلؓ، اسماء بنت عمیسؓ، اسماء بنت ابوبکرؓ اور فاطمہ خواہر عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کیا۔[1]

ان دنوں مسلمان پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آ نکلے ان کو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے، نماز کے بعد پوچھا یہ کون دین ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے دادا ابراہیم کا یہی دین تھا، ابو طالب نے کہا میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔[2]

تین برس تک آنحضرت ﷺ نے نہایت رازداری کے ساتھ فرضِ تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتابِ رسالت بلند ہو چکا تھا صاف حکم آیا، ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ ''اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے، صاف صاف کہہ دے'' اور نیز یہ حکم آیا

---

[1] صحیح بخاری سنن ترمذی مصنف عبدالرزاق، مستدرک حاکم اور مصنف بن ابی شیبہ کی صحیح روایات میں ان حضرات کے اسلام میں شرف تقدم کا ذکر موجود ہے۔

[2] سیرت النبی ۱۔۲۰۶

﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ (اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا) ۱؎

ایک روز آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان کرو، یہ درحقیقت تبلیغِ اسلام کا پہلا موقع تھا، تمام خاندانِ عبد المطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہ، ابو طالب، عباس سب شریک تھے، آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے، اس بارِ گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا، تمام مجلس میں سناٹا تھا دفعۃً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا ''گو مجھ کو آشوبِ چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا'' قریش کیلئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک تیرہ سال کا نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں، حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی، لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ یہ لفظ بہ لفظ سچ تھا۔ ۲؎

ایک روز نبی کریم ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کے لوگوں کو پکارنا شروع کیا، جب سب جمع ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو؟'' سب نے ایک آواز سے کہا کہ ''ہم نے کوئی بات

۱؎ سیرت النبی ا۔۲۱۰

۲؎ سیرت النبی ا۔۲۱۰، تاریخ طبری و تفسیر طبری اور علامہ شبلیؒ نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ یہ روایت ضعف سے خالی نہیں، امام احمد نے مسند میں، ابن کثیر نے تفسیر میں، ابن سعد نے طبقات میں اور دوسرے اصحابِ سیر نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے، لیکن اس کی کوئی سند ضعف سے خالی نہیں۔

غلط یا بیہودہ آپ کے منہ سے نہیں سنی، ہم یقین کرتے ہیں کہ آپ صادق اور امین ہیں۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دیکھو میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو، میں پہاڑ کے اِدھر بھی دیکھ رہا ہوں اور اُدھر بھی نظر کر رہا ہوں، اگر میں کہوں کہ رہزنوں کا ایک مسلح گروہ دور سے نظر آرہا ہے جو مکہ پر حملہ آور ہوگا کیا تم اس کا یقین کرلو گے؟ لوگوں نے کہا بیشک! کیونکہ ہمارے پاس آپ جیسے راست باز آدمی کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں، خصوصاً جبکہ وہ ایسے بلند مقام پر کھڑا ہے کہ دونوں طرف دیکھ رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ سب کچھ سمجھانے کے لئے ایک مثال تھی، اب یقین کرلو کہ موت تمہارے سر پر آرہی ہے اور تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور میں عالم آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسا کہ دنیا پر تمہاری نظر ہے، اس دل نشیں وعظ سے مطلب نبی کریم ﷺ کا یہ تھا کہ نبوت کے لئے ایک مثال پیش کریں کہ کس طرح ایک شخص عالم آخرت کو دیکھ سکتا ہے جبکہ ہزاروں اشخاص نہیں دیکھ سکتے۔[1]

توحید کی بازگشت اور مشرکین کی ایذا رسانی

اب مسلمانوں کی معتد بہ جماعت تیار ہوگئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی، آپ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا، کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی، اس لئے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور ہر طرف سے لوگ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے، حارث ابن ابی ہالہ (جو پہلے شوہر سے حضرت

---

[1] یہ روایت اجمال کے ساتھ صحیحین میں موجود ہے۔

خدیجہؓ کے صاحبزادے تھے) گھر میں تھے ،ان کو خبر ہوئی دوڑے آئے اور آنحضرت ﷺ کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے ،اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی ۔[1]

اب نبی کریم ﷺ نے سب کو عام طور پر سمجھانا شروع کیا، ہر ایک میلے میں، ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبی بتاتے، بتوں، پتھروں، درختوں کی پوجا سے روکتے، آپ لوگوں کو تلقین فرماتے کہ خدا کی ذات کو نقص سے، عیب سے، آلودگی سے پاک سمجھیں، اس بات کا پختہ اعتقاد رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے، بڑے سب کے سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں، سب اسی کے محتاج ہیں، دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحت و تندرستی دینا، مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے، اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا، فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے، عرب میں عُکاظ، عُیینہ اور ذی الحجاز کے میلے بہت مشہور تھے، دور دور سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ ان مقامات پر جاتے اور میلے میں آئے ہوئے لوگوں کو اسلام کی اور توحید کی دعوت فرمایا کرتے تھے۔[2]

جب آنحضرت ﷺ نے اعلانِ دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معزز وں نے ابو طالب سے آکر شکایت کی،

---

[1] الاصابہ لابن حجر، ذکر حارث بن ابی ہالہ۔

[2] امام ترمذی نے سنن میں، امام حاکم نے مستدرک میں، امام احمد نے مسند میں اور اصحاب سیر نے اپنی کتابوں میں اسکا تذکرہ کیا ہے، امام ترمذی اور امام ذہبی نے حدیث کی تصحیح کی ہے۔

ابو طالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی، یعنی آنحضرت ﷺ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے، اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابو طالب کے پاس آئی، اس میں تمام روسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباء واجداد کو گمراہ کہتا اور ہم کو احمق ٹھہراتا ہے، اس لئے یا تو تم بیچ سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، ابو طالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہوگئی ہے، قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا، آنحضرت ﷺ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ ”جانِ عم میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔“

رسول اللہ ﷺ کے ظاہری پشت پناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے، آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا، خدایا تو اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا، آپ کی پُر اثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا، رسول اللہ ﷺ سے کہا ”جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔“[1]

---

[1] السیرۃ النبویہ للذہبی ۸۶، ۸۷، مستدرک حاکم ۳۔ ۵۷۷

آنحضرت ﷺ بدستور دعوتِ اسلام میں مصروف رہے، قریش اگرچہ آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے۔ [۱]

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ خانۂ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے اپنی چادر کو لپیٹ دیکر رسّی جیسا بنایا اور جب نبی کریم ﷺ سجدہ میں گئے تو چادر کو حضور ﷺ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کئے، گردنِ مبارک بہت بھنچ گئی تھی تاہم حضور اسی اطمینانِ قلب سے سجدہ میں پڑے ہوئے تھے، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دھکّے دیکر عقبہ کو ہٹایا اور زبان سے یہ آیت پڑھ کر سنائی: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ''کیا تم ایک بزرگ آدمی کو مارتے ہو اور صرف اس جرم میں کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے اور تمہارے پاس روشن دلائل لیکر آیا ہے۔'' چند شریر ابوبکر صدیقؓ سے لپٹ گئے اور ان کو بہت زدوکوب کیا۔ [۲]

ایک دوسری دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے، قریش بھی صحن کعبہ میں جا بیٹھے، ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں

---

[۱] سیرت النبی ۱۔۲۲۱

[۲] صحیح البخاری باب بنیان الکعبۃ، باب ذکر مالقی النبی ﷺ واصحابہ من قریش بمکۃ

جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے، اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے اٹھا لائے اور اس (نبی کریم ﷺ) کے اوپر دھر دے، شقی عقبہ اٹھا، نجاست بھری اوجھڑی اٹھا لایا، جب نبی کریم ﷺ سجدہ میں گئے تو پشتِ مبارک پر رکھ دی، آنحضرت ﷺ تو ربّ العزت کی جانب متوجہ تھے، کچھ خبر بھی نہ ہوئی، کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے، ابنِ مسعود صحابیؓ بھی موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کر ان کا حوصلہ نہ پڑا، مگر معصوم سیّدہ فاطمہ زہراؓ آ گئیں، انھوں نے باپ کی پشت سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا اور ان سنگ دلوں کو سخت سست بھی کہا۔[1]

ایک مرتبہ یہ طے کرنے کے لئے ایک مجلس منعقد ہوئی کہ محمد ﷺ کے متعلق کیا بات کہی جائے کہ مکہ میں باہر سے آنے والے ان سے بچیں اور دور ہی دور رہیں، ایک نے کہا کہ ہم بتلایا کریں گے کہ وہ کاہن ہے، ولید بن مغیرہ (جو ایک خرانٹ بڈھا تھا) بولا میں نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں لیکن کہاں تو کاہنوں کی تک بندیاں اور کجا محمد (ﷺ) کا کلام، ہم کو ایسی بات نہ کہنی چاہئے جس سے قبائلِ عرب یہ سمجھ لیں کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں، ایک نے کہا ہم اسے دیوانہ بتایا کریں گے، ولید بولا، محمد (ﷺ) کو دیوانگی سے کیا نسبت ہے، ایک بولا ہم کہیں گے وہ شاعر ہے، ولید نے کہا ہم جانتے ہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے، اصنافِ سخن ہم کو بخوبی معلوم ہیں، محمد (ﷺ) کے کلام کو شعر سے ذرا مشابہت

---

[1] صحیح البخاری باب بنیان الکعبہ، باب ذکر مالقی النبی ﷺ واصحابہ من قریش بمکۃ

نہیں، ایک بولا ہم بتایا کریں گے کہ وہ جادوگر ہے، ولید نے کہا جس طہارت و لطافت و نفاست سے محمد (ﷺ) رہتا ہے وہ جادوگروں میں کہاں ہوتی ہے، جادوگروں کی منحوس صورتیں اور نجس عادتیں الگ ہی ہوتی ہیں، اب سب نے عاجز ہوکر کہا چچا تم ہی بتاؤ کہ پھر کیا کیا جائے؟ ولید نے کہا سچ تو یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے کلام میں عجیب شیرینی ہے، اس کی گفتگو نورس حلاوت ہے، کہنے کو تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کلام ایسا ہے جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہروزن میں جدائی ہوجاتی ہے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے، تمام لوگوں نے ولید کی اس تجویز کو پسند کیا، اب ان کا معمول تھا کہ مکہ کے راستوں پر بیٹھ جاتے اور آنے جانے والوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے ڈراتے[1]

عتبہ کا آنحضرت ﷺ سے مکالمہ

جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کسی طرح دعوت و تبلیغ ترک نہیں فرماتے، تو انھوں نے کہا کہ آؤ پہلے محمد ﷺ کو لالچ دیں، پھر دھمکی دیں، کسی طرح تو مان ہی جائیں گے، مکہ کے ایک مشہور سردار عتبہ نے کہا دیکھو میں جاتا ہوں اور تصفیہ کرکے آتا ہوں، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور یوں تقریر کی:

''میرے بھتیجے محمدؐ ! اگر تم اس کاروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کردیتے ہیں کہ تو مالا مال

[1] السیرۃ النبویہ للذہبی ص۸۹،۹۰

ہو جائے، اگر تم عزت کے بھوکے ہو تو اچھا ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں، اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو بادشاہِ عرب بنا دیتے ہیں، جو چاہو سو کرنے کو حاضر ہیں، مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو، اور اگر تمھارے دماغ میں کچھ خلل آ گیا ہے تو بتا دو کہ ہم تمھارا علاج کرائیں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم نے جو کچھ میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں، مجھے مال، عزت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں، میری حقیقت تم کو قرآن کے اس کلام سے معلوم ہوگی، پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿ حٰمٓ، تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، كِتٰبٌ فُصِّلَتْ آيٰتُهٗ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ، بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ، وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ .... الخ﴾ (حٰم سجدہ، آیت ۱۔۵)

"یہ فرمان خدا کے حضور سے آیا ہے، وہ بڑی رحمت والا اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ برابر پڑھی جانے والی کتاب ہے عربی زبان میں سمجھدار لوگوں کے لئے، اس میں سب باتیں کھلی کھلی درج ہیں، جو لوگ خدا کا حکم مانتے ہیں، ان کے واسطے اس فرمان میں بشارت ہے، اور جو انکار کرتے

ہیں ان کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے، تاہم بہت سے
لوگوں نے اس فرمان سے منہ موڑ لیا ہے، وہ اسے سنتے ہی
نہیں اور کہتے ہیں کہ اسکا ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں اور
ہمارے کان اس سے شنوا نہیں اور ہم میں اور تم میں ایک
طرح کا پردہ پڑا ہے، تم اپنی (تدبیر) کرو ہم اپنی
(تدبیر) کر رہے ہیں۔ اے نبی ان لوگوں سے کہہ دیجئے
کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں، مگر مجھ پر وحی آتی ہے، اور خدا
کے فرشتے نے یہ بتا دیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف
ایک ہے، اسی کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اسی سے گناہوں کی
معافی مانگنا لازم ہے، ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک
کرتے ہیں اور صدقہ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے
ہیں، لیکن جو خدا پر ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے،
ان کے لئے آخرت میں بڑا درجہ ہے۔"

کلام پاک کے سننے سے عتبہ پر ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا، وہ ہاتھوں سے سہارا دیئے، گردن پشت پر ڈالے سنتا رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا، قریش کے سرداروں نے دیکھا تو کہا کہ دیکھو عتبہ کا وہ چہرہ نہیں ہے، جو یہاں سے جاتے وقت تھا، انھوں نے پوچھا کیا دیکھا، کیا کہا، کیا سنا؟ عتبہ بولا، قریش! میں ایسا کلام سن کے آیا جو نہ کہانت ہے،

نہ شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ منتر ہے۔ تم میرا کہا مانو تو میری رائے پر چلو، محمد (ﷺ) کو اپنے حال پر چھوڑ دو، لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا، لو عتبہ پر بھی محمد (ﷺ) کی زبان کا جادو چل گیا۔[1]

سردارانِ قریش کی آنحضرت ﷺ سے بات چیت

اس ناکامی کے بعد قریش نے مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہئے، اس مشورہ کے بعد انھوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ سردارانِ قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور کعبہ کے اندر جمع ہیں، نبی کریم ﷺ خوشی خوشی وہاں گئے، کیونکہ حضور ﷺ کو ان کے ایمان لے آنے کی بڑی آرزو تھی، جب آنحضرت ﷺ وہاں جا بیٹھے تو انھوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا:

"اے محمدؐ! ہم نے تجھے یہاں بات کرنے کے لئے بلایا ہے، بخدا ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات لایا ہو، جس قدر تو نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہے، کوئی خرابی ایسی نہیں جو تیری وجہ سے ہم پر نہ آچکی ہو، اب تم یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنے اس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھارے لئے مال جمع کر دیں، اتنا کہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنا روپیہ نہ نکلے اور اگر شرف وعزت کے خواستگار ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار بنالیں اور اگر تم سلطنت کے طالب ہو تو تمھیں اپنا بادشاہ مقرر کرلیں اور

---

[1] السیرۃ الحلبیہ ۱۔۲۸۶، ۲۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴۔۲۹۵، السیرۃ النبویۃ للذہبی ص ۹۱۔۹۲

اگر تم سمجھتے ہو کہ جو چیز تمہیں دکھائی دیتی ہے وہ کوئی جن ہے جو غالب آگیا ہے تو ہم ٹونے ٹوٹکوں کیلئے مال صرف کردیں تاکہ تم تندرست ہوجاؤ، یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم نے جو کچھ بھی کہا، میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں، جو تعلیم لیکر میں آیا ہوں وہ نہ طلبِ اموال کے لئے ہے، نہ جلبِ شرف یا حصول سلطنت کے واسطے ہے، بات یہ ہے کہ خداوند نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب اتاری ہے، مجھے اپنا بشیر ونذیر بنایا ہے، میں نے اپنے رب کے پیغامات تم کو پہونچادیئے ہیں اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا ہے، اگر تم میری تعلیمات کو قبول کروگے تو وہ تمہارے لئے دنیا وآخرت کا سرمایہ ہے، اور اگر رد کروگے تب میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا، وہ میرے لئے اور تمہارے لئے کیا حکم بھیجتا ہے۔"

قریش نے کہا:

"اچھا محمدؐ! اگر تم ہماری باتوں کو نہیں مانتے تو ایک بات سنو، تم کو معلوم ہے کہ ہم کس قدر سختی وتنگی سے دن کاٹ رہے ہیں، پانی ہمارے پاس سب سے کم ہے اور گزران ہماری سب سے زیادہ تنگ ہے، اب تم خدا سے یہ سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو ہمارے سامنے سے ہٹادے تاکہ ہمارے شہر کا میدان کھل جائے، نیز ہمارے لئے ایسی نہریں جاری

کردے جیسی شام وعراق میں جاری ہیں، نیز ہمارے باپ، دادوں کو زندہ کردے، ان زندہ ہونے والوں میں قصیٰ بن کلاب ضرور ہو، کیونکہ وہ ہمارا سردار تھا اور سچ بولا کرتا تھا ہم اس سے تیری بابت بھی پوچھ لیں گے، اگر اس نے تیری باتوں کو سچ مان لیا اور تو نے ہمارے سوالوں کو بھی پورا کردیا، تب ہم بھی تجھے سچا جان لیں گے اور مان لیں گے کہ ہاں خدا کے یہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہے اور اس نے فی الحقیقت تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ تو کہہ رہا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں ان کاموں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو اس تعلیم کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں نے خدا کے پیغامات تمہیں سنا دیئے ہیں، اگر تم اس کو قبول کر لو گے تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لئے سرمایہ ہے اور اگر رد کرو گے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا، جو کچھ اسے میرا اور تمہارا فیصلہ کرنا ہوگا فرمائے گا۔"

قریش نے کہا:

"اچھا اگر تم ہمارے لئے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے ہی لئے خدا سے سوال کرو، یہ کہ وہ ایک فرشتے کو تمہارے ساتھ مقرر کردے، جو یہ کہتا رہے کہ یہ شخص سچا ہے اور ہم کو تمہاری مخالفت سے منع بھی کردے، ہاں تم اپنے لئے یہ بھی سوال کرو کہ باغ لگ جائیں، بڑے بڑے محل

بن جائیں، خزانہ سونا چاندی جمع ہو جائے، جس کی تمہیں ضرورت بھی ہے، اب تک تم خود ہی بازار میں جاتے اور اپنی معاش تلاش کیا کرتے ہو، ایسا ہو جانے کے بعد ہی ہم تمہاری فضیلت اور شرف کی پہچان حاصل کر سکیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں ایسا نہ کرونگا اور نہ خدا سے کبھی ایسا سوال کروں گا اور ان باتوں کے لئے میں مبعوث بھی نہیں ہوا، مجھے تو اللہ نے بشیر ونذیر بنایا ہے، تم مان لو تو تمہارے لئے ذخیرۂ دارین ہے ورنہ میں صبر کروں گا اور خدا کے فیصلہ کا منتظر رہوں گا۔"

قریش نے کہا:

"اچھا تم آسمان کا ٹکڑا توڑ کر ہم پر گرادو، کیونکہ تمہارا زعم یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، پس جب تک تم ایسا نہ کرو گے ہم ایمان نہیں لانے کے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یہ خدا کے اختیار میں ہے وہ اگر چاہے تو ایسا کرے۔"

قریش نے کہا:

"محمدؐ! یہ تو بتاؤ کہ تیرے خدا نے تجھے پہلے سے یہ نہ بتایا کہ ہم تجھے بلائیں گے، ایسے ایسے سوال کریں گے، یہ یہ چیزیں طلب کریں گے،

ہماری باتوں کا یہ جواب ہے اور خدا کا منشاء ایسا ایسا کرنے کا ہے؟ چونکہ تیرے خدا نے ایسا نہیں کیا، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یمامہ میں ایک شخص رہتا ہے، اس کا نام رحمٰن ہے، وہی تجھ کو ایسی باتیں سکھاتا ہے، ہم تو رحمٰن پر کبھی نہیں ایمان لانے کے، دیکھو آج ہم نے اپنے سارے عذر سنا دیئے ہیں، اب ہم تجھ سے قسمیہ یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ ہم تجھے اس تعلیم کی اشاعت کبھی نہ کرنے دیں گے، حتیٰ کہ ہم مرجائیں یا تو مرجائے۔"

یہاں تک بات چیت ہوئی کہ ایک ان میں سے بولا: "ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔" دوسرا بولا: "ہم تیری بات کا یقین نہیں کریں گے جب تک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں۔"

نبی کریم ﷺ آخری بات سن کر اٹھ کھڑے ہوئے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن اُبواُمیّہ بن مغیرہ بھی اٹھ کھڑا ہوا، یہ آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی (عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا) تھا، اس نے کہا:

"محمدؐ! دیکھو تمہاری قوم نے اپنے لئے کچھ چیزوں کا سوال کیا وہ بھی تم نے نہ مانا، پھر انھوں نے یہ چاہا کہ تم اپنے ہی لئے ایسی علامات کا اظہار کرو جس سے تمہاری قدر و منزلت کا ثبوت ہوسکتا ہو، اسے بھی تم نے قبول نہ کیا، پھر انھوں نے اپنے لئے تھوڑا سا عذاب بھی چاہا جس کا تم خوف دلایا کرتے تھے، تم نے اس کا بھی اقرار نہ کیا، بس اب میں تم پر

کبھی ایمان نہیں لانے کا، اگر چہ تم میرے سامنے آسمان کو زینہ لگا کر
اوپر کو چڑھ جاؤ اور میرے سامنے اس زینہ سے اترو اور تمہارے ساتھ
چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری شہادت بھی دیں، میں تو تب بھی تم پر
ایمان نہیں لاؤں گا۔ [1]

نبی ﷺ اس ردّ وانکار پر بھی برابر قریش کو اسلام کی ہدایت کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ میری تعلیم ہی میں سب کچھ تمہارے لئے موجود ہے، جن دانشمندوں نے ایمان قبول کیا اور تعلیم نبویؐ پر کار بند ہوئے، انھیں اس سے بھی زیادہ معارف وفوائد حاصل ہوگئے جس کا کفار نے سوال کیا تھا۔

قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم

قریش نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے بس نہیں چلتا تو انھوں نے ان غریبوں پر اپنا غصہ اتارنا شروع کیا، جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا، جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ ریتیلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے، وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے۔

یہ مصیبتیں اگر چہ تمام بیکسوں پر عام تھیں لیکن ان میں جن لوگوں پر قریش زیادہ مہربان تھے، ان کے نام یہ ہیں۔ [2]

[1] السیرۃ الحلبیہ ا۔۲۹۶
[2] سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانیؒ ا۔۲۲۸، ۲۳۱

حضرت خبّاب بن الأرتؓ: تمیم کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کردیے گئے اور اُمّ انمار نے خرید لیا تھا، اُس زمانہ میں اسلام لائے جب آنحضرت ﷺ حضرت ارقمؓ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چھ سات شخص اسلام لائے تھے، قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے، اُس پر چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے۔ [1] حضرت خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔

حضرت خبابؓ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے، اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کی بقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا، جب تک محمد (ﷺ) کا انکار نہ کروگے، ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے کہ نہیں! تم مر مر کر زندہ ہو جاؤ، تب بھی یہ ممکن نہیں۔ [2]

حضرت بلالؓ: یہ وہی حضرت بلالؓ ہیں جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہیں، حبشی النسل اور اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان ان کے سینے پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے

---

[1] الکامل لابن الأثیر ج ۲۔ ص ۶۷

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارہ باب هل یؤاجر الرجل نفسه من مشرک فی أرض الحرب

پائیں، ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ، ورنہ یوں ہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا، لیکن اس وقت بھی اُن کی زبان سے "أحَــــــد" کا لفظ نکلتا۔ جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسّی باندھی اور لونڈوں کے حوالہ کیا، وہ ان کو شہر کے اِس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے، لیکن اب بھی وہی رٹ تھی "أحَد أحَد ." [1]

حضرت عمّارؓ: یمن کے رہنے والے تھے، انکے والد "یاسرؓ" مکہ میں آئے، ابوحذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیّہ تھا شادی کردی، عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے، یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے، قریش اُن کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے، ان کے والد اور والدہ کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ [2]

حضرت سمیّہؓ: حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور وہ شہید ہو گئیں۔

حضرت یاسرؓ: حضرت عمار کے والد تھے، یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے شہید ہو گئے۔ [3]

حضرت صُہیبؓ رومی: آنحضرت ﷺ نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو یہ اور عمارؓ بن یاسرؓ ایک ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، آپ

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔۲۸۴، مسند احمد ۱۔۴۰۴، [2] سیرت ابن ہشام ۱۔۳۱۹، [3] الکامل ۲۔۶۷،

ﷺ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے، قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب انھوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا کہ اپنا سارا مال ومتاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو، انھوں نے نہایت خوشی سے منظور کیا، حضرت عمرؓ جب نماز پڑھانے میں زخمی ہوئے تو اپنے بجائے انھیں کو امامت دی تھی۔ [1]

ابو فُکیہہؓ: صفوان بن اُمیہ کے غلام تھے، حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے، اُمیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسّی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں، ایک ''گبریلا'' راہ میں جا رہا تھا اُمیہ نے ان سے کہا: ''تیرا خدا یہی تو نہیں ہے؟'' انھوں نے کہا: ''میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔'' اس پر امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ ان کے سینے پر اتنا بھاری بوجھ رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی۔ [2]

حضرت لُبَینہؓ: یہ بے چاری ایک کنیز تھیں، حضرت عمر اس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ''میں تجھ پر رحم کی بناء پر نہیں، بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں۔'' وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ''اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لیگا۔'' [3]

---

[1] مستدرک حاکم، مناقب صہیب ۳۔۴۴۹ [2] و [3] الکامل ۲۔۶۹۔

حضرت زِنّیرہؓ: حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔[۱]

حضرت نہدیہؓ اور اُمّ عُبَیسؓ: یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں، اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی تھیں۔[۲]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انھوں نے ان مظلوموں میں سے اکثر کی جان بچائی، حضرت بلالؓ، عامر بن فُہیرہؓ، لُبینہؓ، زِنّیرہؓ، نہدیہؓ، ام عُبیسؓ، سب کو بھاری بھاری داموں پر خریدا اور آزاد کر دیا۔[۳]

یہ وہ لوگ ہیں جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہونچائیں، ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے، جن کو اور طرح طرح سے ستاتے تھے۔

حضرت عثمانؓ: جو کبیر السّن اور صاحبِ جاہ و اعزاز تھے، جب اسلام لائے، تو دوسرں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے رسّی باندھ کر مارا۔[۴]

---

۱ و ۲ الکامل ۲۔۶۹، ۷۰

۳ مستدرک حاکم ۳۔۲۸۴، مصنف بن ابی شیبہ ۱۲۔۱۰، حضرت بلالؓ کے آزاد کرنے کا ذکر صحیح البخاری میں بھی موجود ہے۔

۴ رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری ۱۔۵۵

حضرت ابو ذرؓ: جو ساتویں مسلمان ہیں، جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا۔ [1]

حضرت زُبیر بن العوّامؓ: ان کا مسلمان ہونے میں پانچواں نمبر تھا، جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھونی دیتے تھے۔ [2]

حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔ [3]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتحِ ایران: اگرچہ نہایت معزز اور اپنے قبیلہ میں نہایت مقتدر تھے، تاہم کفار کے ستم سے محفوظ نہ تھے، بنو اُسد اسلام کے جرم پر ان کو سخت سزائیں دیتے، اس وقت تک حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب اسلام لائے تو انھوں نے کہا میں اس فرض کو ضرور ادا کروں گا، لوگوں نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے، حرم میں گئے اور مقامِ ابراہیمؑ کے پاس کھڑے ہو کر سورۂ رحمٰن پڑھنی شروع کی، کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے، اگرچہ ان کو جہاں تک پڑھنا تھا، پڑھ کر دم لیا، لیکن واپس گئے تو چہرہ

---

[1] صحیح البخاری، باب اسلام أبی ذرؓ [2] سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانیؒ، بحوالہ ریاض النضرۃ
[3] صحیح البخاری کتاب الاکراہ، باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر

پر زخم کے نشان لے کر گئے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کفارِ قریش کا معاملہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر چہ مکہ کے ذی وجاہت اور آبرودار لوگوں میں تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد قریش کی ایذاؤں اور اہانتوں سے بچ نہ سکے، ایک دن لوگوں نے ان کو گرا کر پاؤں سے روندا اور بہت زدوکوب کیا، عتبہ بن ربیعہ نے ان کو دو ایسے جوتوں سے مارا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے، ان کے چہرہ پر اتنی ضرب آئی کہ سارے چہرے پر ورم ہو گیا، اعضاء کا پتہ نہیں چلتا تھا، ان کے قبیلہ کے لوگ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اٹھا لے گئے اور گھر پہونچا دیا، سب کو یقین تھا کہ ابوبکرؓ بچنے والے نہیں ہیں، شام کو جب بولنے کی سکت ہوئی تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ خیریت سے ہیں؟ ان کے خاندان والوں نے ان کو بڑی ملامت کی کہ اب بھی ان کو رسول اللہ ﷺ کی فکر ہے، جب مجمع ہٹا تو پھر انھوں نے اپنی والدہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا کہ مجھے بالکل خبر نہیں ہے، آپ نے کہا کہ ام جمیلؓ سے پوچھ کر آؤ، ام جمیلؓ آپ کو دیکھنے آئیں، انھوں نے یہ حال دیکھ کر کہا کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ بڑے فاسق و کافر ہیں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے گا، آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خیریت کہو، انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ بخیریت ہیں، فرمایا کہاں ہیں، انھوں نے کہا کہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱-۳۱۴، اسد الغابہ ۳-۲۸۲

ابن اُرقم کے گھر میں، آپ نے کہا کہ اُس وقت تک مجھے کھانا پینا حرام ہے جب تک کہ میں آپ ﷺ کو دیکھ نہ لوں، رات کو جب آمد ورفت موقوف ہوئی اور سناٹا ہوگیا تو آپ کی والدہ اورام جمیلؓ آپ کو پکڑ اکر حضور ﷺ کی خدمت میں لائیں اورآپ زیارت وملاقات سے مشرف ہوئے۔ [1]

مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت اور نجاشی کے سامنے حضرت جعفرؓ کی تقریر

جب کفار نے مسلمانوں کو بیحد ستانا شروع کیا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجازت دیدی کہ جو چاہے وہ اپنی جان وایمان کے بچاؤ کے لئے حبش کو چلا جائے۔

اس اجازت کے بعد ایک چھوٹا سا قافلہ گیارہ مرد، چار عورتوں کا رات کی تاریکی میں نکلا اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہوکر حبش کو روانہ ہوگیا۔ [2]

اس مختصر قافلہ کے سردار حضرت عثمانؓ بن عفّان تھے، سیدہ رقیہؓ (بنت النبیؐ) ان کے ساتھ تھیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے راہِ خدا میں ہجرت کی ہے۔'' [3]

ان کے پیچھے اور بھی مسلمان (۸۳ر مرد، ۱۸ر عورتیں) مکہ سے نکلے اور حبش کو روانہ ہوئے، اُن میں نبی ﷺ کے چچیرے بھائی جعفر طیارؓ بھی تھے،

---

[1] الاصابۃ ا۔۴۲

[2] فتح الباری لابن الحجر ۷۔۱۸۸، ۱۸۹

[3] طبقات ابن سعد ا۔۲۰۳

قریش نے سمندر تک انکا تعاقب کیا مگر یہ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔[1]

حبش کا بادشاہ عیسائی تھا، مکہ کے کافر بھی اسکے پاس تحفے تحائف لے کر گئے اور جا کر کہا کہ ان لوگوں کو جو ہمارے ملک سے بھاگ آئے ہیں ہمارے سپرد کیا جائے، مسلمان دربار میں بلائے گئے، تب نبی ﷺ کے چچیرے بھائی جعفر طیارؓ نے دربار میں یہ تقریر کی:

''اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مُردار کھاتے تھے، بیہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا، ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ وقانون نہ تھا، ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب ونسب، سچائی، دیانت داری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے، اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں، اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا، اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، گناہوں سے دور رہیں، برائیوں سے بچیں، اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھا کریں، صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں، ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے، قوم نے جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا تاکہ ہم وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی

---

[1] فتح الباری ۷۔۱۸۹

پوجا کرنے لگ جائیں، ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہو گئے، تب تیرے ملک میں پناہ لینے آئے ہیں۔"

بادشاہ نے یہ تقریر سن کر کہا مجھے قرآن سناؤ! جعفر طیارؓ نے اسے سورۂ مریم سنائی، بادشاہ پر ایسی تاثیر ہوئی کہ وہ رونے لگا اور اس نے کہا "محمد تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیحؑ نے دی تھی۔" اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا، پھر بادشاہ نے مکّہ کے کافروں کو دربار سے نکلوا دیا۔

دوسرے دن عمرو بن العاصؓ نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں، ان لوگوں کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں، نجاشی عیسائی ہے ناراض ہو جائے گا، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ ہو ہم کو سچ بولنا چاہئے۔

غرض یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے، نجاشی نے کہا تم لوگ عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا "ہمارے پیغمبر ﷺ نے بتایا کہ عیسیٰؑ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہا، واللہ جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں، بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے، نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی، نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پرواہ نہ کی اور قریش

کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے۔[1]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، ان کو آپ ﷺ سے محبت تھی، اور آپ ﷺ سے دو، تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلتے تھے، دونوں نے ثُویبہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتے سے بھائی بھائی تھے، وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، لیکن آپ ﷺ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا مذاقِ طبیعت سپہ گری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لیکر نکل جاتے، تمام دن شکار میں مصروف رہتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے طواف کرتے، قریش کے رؤساء صحنِ حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے بیگانوں سے بھی نہ دیکھا جا سکتا تھا، ایک دن ابو جہل نے رُو در رُو آپ ﷺ کے ساتھ نہایت گستاخیاں کیں، ایک کنیز دیکھ رہی تھی، حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اس نے تمام ماجرا کہا، حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے، تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے اور ابو جہل سے کہا ''میں مسلمان ہو گیا ہوں''[2]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۔۳۳۵، ۳۳۶، مسند احمد ۱۔۲۰۲، ۵۔۲۹۰، [2] السیرۃ النبویۃ للذھبی ۱۰۱، مستدرک حاکم ۳۔۲۱۲، ذکر اسلام حمزہؓ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے، حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے، سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں، اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نُعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے، ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہونچی تو سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لاچکے تھے ان کے دشمن بن گئے، لُبَینہ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کرلیا تھا، اس کو بے تحاشہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لے لوں تو پھر ماروں گا، لبینہ کے سوا اور جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس پر چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ بددل نہ کرسکے، آخر مجبور ہوکر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے، کارکنان قضا نے کہا

ع آمد آں یارے کہ مامیخواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں، انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہارے بہن بہنوئی اسلام لاچکے ہیں، فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہونچے، وہ

قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہوگئیں، اور اجزا چھپا لئے، لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں، انھوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہوگئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی بولیں کہ ''عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا'' ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر بھی خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، بہن سے کہا کہ جو کتاب پڑھی جا رہی تھی ذرا مجھے دینا دیکھوں کہ محمد (ﷺ) کیا لائے ہیں، بہن نے کہا، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم اس کتاب کی بے ادبی نہ کرو، انھوں نے جواب دیا کہ ڈرو نہیں اور اپنے معبودوں کی قسم کھائی کہ پڑھ کر ضرور واپس کر دیں گے، انکی یہ بات سن کر ان کی بہن کو کچھ امید ہوئی کہ شاید ان کی ہدایت کا وقت آ گیا ہے، انھوں نے کہا تم مشرک اور ناپاک ہو اور اس کو صرف پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے عمرؓ گئے اور غسل کر کے آئے، بہن نے ان کو قرآن مجید کے اوراق دیئے، عمرؓ نے اوراق لئے تو سورۂ طٰہٰ سامنے تھی، اس کا ابتدائی حصہ پڑھا اور کہا کہ یہ کلام کس قدر عمدہ اور عزت والا ہے، حضرت خبابؓ جو چھپے ہوئے تھے، یہ سن کر باہر نکل آئے اور ان سے کہا کہ اے عمر! مجھے امید ہے کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول کی، میں نے کل ہی آپ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ ''اے اللہ حکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن الخطاب کے

ذریعہ اس دین کی مدد فرما'' عمر! اس نعمت کی قدر کرو، عمرؓ نے کہا، خباب مجھے محمد (ﷺ) کی جگہ کا پتہ دو کہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کروں، خبابؓ نے پتہ بتلایا، یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول ﷺ حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہِ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزیں تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہونچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا'' آنے دو، وہ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا'' حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کے فرمایا کیوں عمر! کس ارادہ سے آیا ہے؟ نبوت کی پُر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ''ایمان لانے کے لئے'' آنحضرت ﷺ بیساختہ اللہ اکبر! پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ [۱]

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا ہو گیا، اس وقت تک اگر چہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداءؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائضِ مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی، انھوں نے علانیہ اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اوّل اوّل بڑی شدت کی لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے

---

[۱] السیرۃ النبویۃ للذھبی ص ۱۰۲-۱۰۳، صحیح البخاری کتاب بنیان الکعبۃ باب اسلام عمر

رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ [۱]

حبش میں کم وبیش ۸۳؍ مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، چند روز آرام سے گذرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کرلیا ہے یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا لیکن شہر کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ غلط خبر ہے اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ میں آگئے۔ [۲]

حضرت عثمانؓ بن مظعون کی حبشہ سے واپسی اور مشرکینِ مکہ کی ایذارسانی

اس غلط اطلاع پر آنے والوں میں حضرت عثمانؓ بن مظعون بھی تھے، وہ عرب کے قاعدے کے مطابق ولید بن مغیرہ کے جوار اور پناہ میں داخل ہوئے، انھوں نے جب دیکھا کہ دوسرے مسلمان جن کو کسی قریشی سردار کی پناہ حاصل نہیں تھی، قریش کی زیادتیوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور وہ ولید کی پناہ کی وجہ سے آزادی اور امن وامان کے ساتھ چلتے پھرتے تھے، تو ان کی غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیا، انھوں نے کہا کہ میرے ساتھی قریش کی ہر طرح کی زیادتیوں کا ہدف بنے ہوئے ہیں اور میں ایک مشرک کی پناہ کی وجہ سے آزاد پھر رہا ہوں اور اپنے ساتھیوں کا ان کی مصیبت میں شریک نہیں ہوں، یہ میری ایک بڑی دینی کمزوری اور بے غیرتی ہے، وہ ولیدؒ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کردی، میں آپ کا جوار آپ کو واپس کرتا ہوں، اب آپ پر میری کوئی ذمہ داری

---

[۱] طبقات ابن سعد ۳۔ ۲۷۰

[۲] السیرۃ النبویۃ للذہبی ص ۱۱۳

نہیں ہے، ولید نے کہا کہ میرے عزیز! کیا میری قوم میں سے کسی نے تم کو کچھ تکلیف پہونچائی؟ حضرت عثمان نے کہا کہ نہیں لیکن اب مجھے اللہ کے جوار کے سوا کسی کا جوار گوارا نہیں، ولید نے کہا کہ اچھا بیت اللہ کے پاس جا کر اعلان کردو کہ تم اب میرے جوار میں نہیں ہو، اور اب میں بری الذمہ ہوں تاکہ مجھ پر تمہاری حفاظت کی کوئی ذمہ داری باقی نہ رہے، چنانچہ دونوں بیت اللہ کی طرف گئے، ولید نے کہا کہ صاحبو! عثمان میرا جوار مجھے واپس کرتے ہیں، حضرت عثمان نے کہا کہ یہ صحیح ہے، میں نے ولید کو پورا وفادار اور شریف پایا اور مجھے ان کے جوار کی کوئی شکایت نہیں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کے سوا اور کسی کی حمایت میں نہ رہوں، حضرت عثمانؓ بن مظعون وہاں سے چلے تو قریش کی ایک مجلس گرم تھی، عرب کا ایک مشہور شاعر لبیدؔ اپنا ایک قصیدہ سنا رہا تھا، اس کے ایک شعر کا پہلا مصرع تھا (أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ۔ ''یعنی اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے'') حضرت عثمانؓ نے کہا سچ ہے، لبیدؔ نے دوسرا مصرع پڑھا: (وَ كُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ۔ ''اور ہر عیش ایک نہ ایک دن فنا ہونے والا ہے'') حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ غلط ہے، جنت کا عیش فنا ہونے والا نہیں، عرب کے سوا اور معزز مہمان اس کی تردید کے عادی نہ تھے، لبیدؔ نے کہا کہ اے سردارانِ قریش اس سے پہلے تو تمہاری مجلس میں ایسی باتیں نہیں ہوتی تھیں، اس طرح کے لوگ کب سے پیدا ہوگئے ہیں، (جو برملا تردید کرتے ہیں) ایک شخص نے کہا کہ کچھ دنوں سے ہمارے یہاں کم سمجھ لوگوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی ہے، جنہوں نے

ہمارے دین کو ترک کر دیا ہے، آپ کچھ خیال نہ کیجئے، حضرت عثمانؓ نے اس پر کچھ کہا اور بات بڑھی، ایک شخص نے ان کے منہ پر ایک تمانچہ مارا جس سے ان کی ایک آنکھ جاتی رہی، ولید یہ سب بیٹھا دیکھ رہا تھا، اس نے کہا کہ میرے عزیز! تم نے خواہ مخواہ اپنی آنکھ کھوئی، اگر تم میری حمایت میں رہتے تو کیوں اس کی نوبت آتی، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میری دوسری آنکھ کو بھی اس آنکھ پر رشک آرہا ہے اور اس کو بھی اس کی تمنا ہے، ولید نے کہا کہ اب بھی موقع ہے اگر چاہو تو میرے جوار میں آجاؤ، حضرت عثمانؓ نے صاف انکار کر دیا۔ [1]

قریش کی جانب سے بنی ہاشم کا محاصرہ و مقاطعہ

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے، عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے ہیں، نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی، سفراء بے نیلِ مرام واپس آئے، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے، چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندانِ بنی ہاشم سے نہ قرابت کریگا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کریگا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا، جب تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں، یہ معاہدہ درِ کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ [2]

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندانِ بنی ہاشم کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۳۷۰   [2] زاد العاد ۳۔۲۹

پناہ گزیں ہوئے، تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں زندگی بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، حدیثوں میں جو صحابہ کرامؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے، یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا، میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی ملا کر کھایا، ابنِ سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی، قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے، لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا۔ [1] ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے، راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا، وہ اگرچہ کافر تھا، اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے، تو کیوں روکتا ہے۔ [2]

عہد نامہ کی تنسیخ اور مقاطعہ کا خاتمہ

متصل تین برس تک آنحضرت ﷺ اور تمام آلِ ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں، بالآخر دشمنوں کو ہی رحم آیا اور خود انھیں کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک نشر ہوئی، ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلے میں ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دن وہ

---

[1] الروض الانف ۱۔ ۲۲۰

[2] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۳۵۴، سیرۃ ذھبی ص۔ ۱۴۲

زُبیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا، کیوں زبیر تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمھارے ننہال والوں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو، زبیر نے کہا کیا کروں تنہا ہوں، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دوں، ہشام نے کہا میں موجود ہوں، دونوں مل کر مُطعِم بن عَدِی کے پاس گئے، بختری ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا، دوسرے دن سب مل کر حرم گئے، زبیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے، ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا، ابو جہل برابر سے بولا، ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا، زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔ [1] ادھر آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کو اطلاع دی تھی کہ معاہدہ کو دیمک کھا گئی ہے، جب لوگوں نے اس کو دیکھا تو ایسا ہی تھا، صرف "بِاسْمِکَ اَللّٰهُمَّ" باقی رہ گیا تھا۔ [2]

حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ کفارِ قریش کا معاملہ

کفار کی ایذا رسانی اب کمزوروں اور بیکسوں پر ہی محدود نہ تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا، انکے یار اور انصار بھی کم

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶

[2] زاد المعاد ۳۔ ۳۰، صحیح بخاری میں اس محاصرہ کا ذکر موجود ہے، ملاحظہ ہو کتاب المناسک باب دخول النبی ﷺ مکۃ، و باب بنیان الکعبۃ، باب تقاسم المشرکین علی النبی ﷺ

نہ تھے، تاہم وہ کفار کے ظلم سے تنگ آگئے اور بالآخر حبش کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا، بَرَکُ الْغِمَاد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ پر ہے، وہاں تک پہونچے تھے کہ اِبْنُ الدُّغُنَّہ سے ملاقات ہوگئی جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا، اس نے پوچھا کہاں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ''میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جاکر خدا کی عبادت کروں۔'' ابن الدغنہ نے کہا ''یہ نہیں ہوسکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے، میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔'' تو حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے، ابن الدغنہ مکہ پہنچ کر تمام سردارانِ قریش سے ملا اور کہا: ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے، مفلسوں کا مددگار ہے، رشتہ داروں کو پالتا ہے، مصیبتوں میں کام آتا ہے، قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ نمازوں میں چپکے جو چاہیں پڑھیں، آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر انھوں نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس میں خشوع وخضوع کے ساتھ باآواز قرآن پڑھتے تھے، وہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے عورتیں اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے، قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی، اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا ''مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے، میں تمہارے جوار سے استعفیٰ دیتا ہوں۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفضائل باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ ۱-۵۵۲

ایک روز نبی ﷺ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے، وہاں مشرک سردار بیٹھے ہوئے تھے، ابو جہل نے نبی ﷺ کو دیکھا اور تمسخر سے کہا ''عبد مَناف والو! دیکھو تمہارا نبی آ گیا۔''

عقبہ بن ربیعہ بولا: ہمیں کیا انکار ہے، ہم میں سے کوئی نبی بن بیٹھے کوئی فرشتہ کہلائے، نبی ﷺ یہ باتیں سن کر لوٹے اور ان کے پاس آئے۔

پہلے عقبہ سے فرمایا ''عقبہ تو نے خدا اور رسول ﷺ کی حمایت کبھی نہ کی، تو اپنی ہی بات کی پچ پر اڑا رہا۔''

پھر ابو جہل سے فرمایا: ''تیرے لئے وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے، دور نہیں کہ تو تھوڑا ہنسے گا اور بہت روئے گا۔''

پھر قریش سے فرمایا: ''تمہارے لئے وہ ساعت نزدیک آ رہی ہے کہ جس دین کا تم انکار کرتے ہو، آخرش اسی میں داخل ہو جاؤ گے۔''

ناظرین اسی کتاب میں دیکھیں گے کہ یہ پیش گوئی کیونکر پوری ہوئی۔[1]

ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

۱۰ نبوت میں نبی ﷺ کے چچا ابو طالب کا جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد تھے، انتقال ہو گیا۔[2]

ابو طالب نے لڑکپن سے نبی ﷺ کی تربیت کی تھی اور جب سے آنحضرت ﷺ نے نبوت کی دعوت اور منادی شروع کر دی تھی وہ برابر مددگار

---

[1] رحمۃ للعالمین ۱۔۶۵ بحوالہ تاریخ طبری [2] فتح الباری ۷۔ ۱۹۴

رہے تھے، اس لئے نبی ﷺ کو ان کے مرنے کا صدمہ ہوا۔ [۱]

ان سے تین دن پیچھے نبی ﷺ کی پیاری بیوی حضرت طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ [۲] اس بیوی نے اپنا سارا مال و زر نبی ﷺ کی خوشی پر قربان اور راہِ خدا میں صرف کر دیا تھا، یہ سب سے پہلے اسلام لائی تھیں، جبرئیلؑ نے ان بیوی کو خدا کا سلام پہونچایا تھا، ان بیوی کے گزر جانے کا رنج نبی ﷺ کو بہت ہوا۔ [۳]

اب قریش نے نبی ﷺ کو زیادہ تر ستانا شروع کر دیا، ایک دفعہ ایک شریر نے نبی ﷺ کے سر پر کیچڑ پھینک دیا، آنحضرت ﷺ اسی طرح گھر میں داخل ہوئے، نبی ﷺ کی بیٹی اٹھیں، وہ سر دھلاتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں، نبی ﷺ نے فرمایا ''پیاری بیٹی تم کیوں روتی ہو، تمہارے باپ کی حفاظت خدا خود فرمائے گا۔ [۴]

اگر چہ ابو طالب کا سہارا جاتا رہا، اگر چہ خدیجہؓ جیسی بیوی جو مصیبتوں میں اور تکلیفوں میں نہایت غمگسار تھیں جدا ہوگئیں، نبی ﷺ نے اب زیادہ جوش سے وعظ کا کام شروع کر دیا۔

---

[۱] صحیحین میں ابو طالب کی نصرت و اعانت کا ذکر موجود ہے۔

[۲] فتح الباری ۷۔۲۲۴،

[۳] صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار، باب تزوج النبی ﷺ خدیجہ و فضلہا، مسند احمد ۶۔ ۱۱۸

[۴] سیرۃ ابن ہشام ۱۔ ۴۱۶

طائف کا سفر اور سخت اذیتوں کا سامنا

چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد نبی ﷺ مکہ سے نکلے اور وعظ کے لئے طائف تشریف لے گئے، نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر میں زیدؓ بن حارثہ تھے، مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی ﷺ پیادہ پا طائف پہونچے، طائف میں بنو ثقیف آباد تھے، سرسبز ملک اور سرد پہاڑ پر رہنے کی وجہ سے اُن کے غرور کی کوئی حد نہ تھی، عبد یالیل، مسعود، حبیب، تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے، نبی ﷺ پہلے انہیں سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت فرمائی، ان میں سے ایک بولا: ''میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوادوں اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو'' دوسرا بولا: ''کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا، جسے چڑھنے کی سواری بھی میسر نہیں...... اسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا'' تیسرا بولا کہ: ''میں تجھ سے بات ہی نہیں کرنے کا، کیونکہ اگر تو خدا کا رسول ہے جیسا کہ تو کہتا ہے، تب تو یہ بہت خطرناک بات ہے کہ میں تیرے کلام کو رد کروں اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے تو مجھے شایاں نہیں کہ تجھ سے بات کروں۔''

نبی اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو، ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔''

نبی ﷺ نے وعظ کہنا شروع فرمایا، ان سرداروں نے اپنے غلاموں

اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا، وہ وعظ کے وقت نبی ﷺ پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور ﷺ لہو میں تر بتر ہو جاتے، خون بہ بہ کر جوتوں میں جم جاتا اور وضو کے لئے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے نبی ﷺ کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخیں لگائیں کہ خدا کے نبی ﷺ ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے، یہ جگہ عتبہ و شیبہ فرزندانِ ربیعہ کی تھی، انھوں نے دور سے اس حالت کو دیکھا اور نبی ﷺ پر ترس کھا کر اپنے غلام عداس کو کہا کہ ایک پلیٹ میں انگور رکھ کر اس شخص کو دے آؤ، غلام نے انگور نبی ﷺ کے سامنے لا کر رکھ دیئے، نبی ﷺ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور زبان سے فرمایا "بسم اللہ" اور پھر انگور کھانے شروع کئے۔

عداس نے حیرت سے نبی ﷺ کی طرف دیکھا اور پھر کہا "یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا: "تم کہاں کے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟"

عداس نے جواب دیا "میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔"

نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا مردِ صالح یونسؑ بن متّیٰ کے شہر کے باشندے ہو؟ عداس نے کہا: "آپ کو کیا خبر ہے کہ یونس بن متّیٰ کون تھا اور کیسا تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا "وہ میرا بھائی ہے وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں"، عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا اور اس نے نبی ﷺ کا سر، ہاتھ، قدم چوم

لئے۔ عتبہ اور شیبہ نے دور سے غلام کو ایسا کرتے دیکھا اور آپس میں کہنے لگے، لو غلام تو ہاتھ سے گیا جب عدؔاس اپنے آقا کے پاس لوٹ کر گیا تو انھوں نے کہا ''کمبخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ، پاؤں، سر چومنے لگ گیا تھا۔''

عدؔاس نے کہا ''حضور عالی! آج اُس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی نہیں، انھوں نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔'' انھوں نے عدّاس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار! کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا تیرا دین تو اُس کے دین سے بہتر ہے۔

اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے خدا کے رسول ﷺ کے اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے، زیدؔ نے آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔

اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے وقت بھی نبی ﷺ کا دل خدا کی عظمت اور محبّت سے بھرپور تھا اور اُس وقت جو دعا حضور ﷺ نے مانگی اُس کے الفاظ یہ ہیں :

''أَللّٰهُمَّ اِلَيْکَ أَشْکُوْ ضَعْفَ قُوَّتِیْ، وَقِلَّةَ حِيْلَتِیْ، وَهَوَانِیْ عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، وَأَنْتَ رَبِّیْ، اِلٰى مَنْ تَکِلُنِیْ، اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِیْ، أَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَّلَّکْتَهٗ أَمْرِیْ، اِنْ لَّمْ يَکُنْ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ، وَلٰکِنْ

عَافِيَتُکَ هِیَ أَوْسَعُ لِیْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِکَ الَّذِیْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلَحَ عَلَیْهِ أَمْرُ الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ، مِنْ أَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُکَ أَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ، لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضیٰ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِکَ."

''الٰہی اپنی کمزوری بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ، ترشرو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے، لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں، جس سے سب تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں اور دین ودنیا کے کام اس سے ٹھیک ہوجاتے ہیں، کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضگی وارد ہو، مجھے تیری رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔''

نبی ﷺ نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا میں ان لوگوں کی تباہی کے لئے کیوں دعا کروں اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو

کیا ہوا؟ امید ہے کی آئندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں گی۔ [۱]

قبائل عرب کو دعوتِ اسلام

مکہ میں واپس آکر نبی ﷺ نے اب ایسا کرنا شروع کیا کہ مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں میں تشریف لے جاتے یا مکہ سے باہر چلے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا یا مل جاتا اسے ایمان اور خدا ترسی کا وعظ فرماتے۔ [۲]

انہی ایام میں قبیلہ بَنُو کِنْدَہ میں تشریف لے گئے سردار قبیلہ مُلیح تھا اور قبیلہ بنوعبداللہ کے ہاں بھی پہنچے ان سے فرمایا کہ تمھارے باپ کا نام عبداللہ تھا تم بھی اسم با مسمّٰی ہو جاؤ، قبیلہ بنوحنیفہ کے گھروں میں تشریف لے گئے انھوں نے سارے عرب میں سب سے بدتر طریق پر نبی ﷺ کا انکار کیا، قبیلہ بنوعامر بن صَعْصَعَہ کے پاس گئے، سردار قبیلہ کا نام بُحَیْرَہ بن فِراس تھا اور اس نے دعوت اسلام سن کر نبی ﷺ سے پوچھا بھلا اگر ہم تیری بات مان لیں اور تو مخالفین پر غالب آجائے تو کیا وعدہ کرتا ہے کہ تیرے بعد یہ امر مجھ سے متعلق ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ تو خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے گا میرے بعد اسے

---

[۱] اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اختصار کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ امام ذہبیؒ نے السیرۃ النبویۃ، ص ۱۸۵ تا ۱۸۸ میں، اور ابن ہشام نے السیرۃ النبویۃ ۱۔ ۴۱۹ تا ۴۲۱ میں تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے، امام ہیثمی نے بھی مجمع الزوائد ۶۔ ۳۵ میں اس کا تذکرہ کیا ہے، امام طبرانی نے بھی صحیح سند کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

[۲] امتاع الاسماع للمقریزی ۱۔ ۳۰

مقرر کرے گا'' بُحَیرَہ بولا: خوب اس وقت تو عرب کے سامنے سینہ سپر ہم بنیں اور جب تیرا کام بن جائے تو مزے کوئی اور اڑائے، جا! ہم کو تیرے ساتھ کوئی سروکار نہیں، قبائل کے سفر میں حضور ﷺ کے رفیقِ طریق ابوبکر صدیقؓ تھے۔[1]

انہی ایام میں نبی ﷺ کو سُوَید بن صامِت ملا اس کا لقب اپنی قوم میں کامل تھا، نبی ﷺ نے اسے دعوت اسلام فرمائی وہ بولا شاید آپ کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس ہے، نبی ﷺ نے پوچھا، تمھارے پاس کیا ہے؟ وہ بولا: ''حکمت لقمان'' نبی ﷺ نے فرمایا: بیان کرو اس نے کچھ عمدہ اشعار سنائے، نبی ﷺ نے فرمایا ''یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور ہدایت و نور ہے'' اس کے بعد نبی ﷺ نے اسے قرآن سنایا اور وہ بے تأمل اسلام لے آیا، جب یثرب لوٹ کر گیا تو قوم خزرج نے اسے قتل کر ڈالا۔[2]

انہی ایام میں ابوالحَیسَر اَنس بن رَافع مکہ آیا اور اس کے ساتھ بنی عبدُ الاشہل کے بھی چند نوجوان تھے جن میں ایاس بن مُعاذ بھی تھا، یہ لوگ قریش کے ساتھ اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرنے آئے تھے، نبی ﷺ ان کے پاس گئے اور جا کر فرمایا:

''میرے پاس ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی بہبود ہے کیا تمھیں کچھ

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۔۴۲۴، ۴۲۵

[2] سیرت ابن ہشام ۱۔۴۲۶، ۴۲۷

رغبت ہے'' وہ بولے ایسی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا'' میں اللہ کا رسول ہوں، مخلوق کی طرف مبعوث ہوں، بندگان خدا کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خدا ہی کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں، مجھ پر خدا نے کتاب نازل کی ہے'' پھر ان کے سامنے اسلام کے اصول بیان فرمائے اور قرآن بھی پڑھ کر سنایا، ایاس بن معاذ ابھی جوان تھا سنتے ہی بولا: '' اے میری قوم! بخدا یہ تمھارے لئے اس مقصد سے بہتر جس کے لئے تم یہاں آئے ہو''

انس بن رافع نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اٹھائی اور ایاس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا بس چپ رہ، ہم اس کام کے لئے تو نہیں آئے، رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے، یہ واقعہ جنگ بُعاث سے جو اَوس وخزرج میں ہوئی، پہلے کا ہے، ایاس واپس جا کر چند روز کے بعد مر گیا، مرتے وقت اُس کی زبان پر تسبیح وتحمید و تہلیل وتکبیر جاری تھے مرحوم کے دل میں نبی ﷺ کے اسی وعظ سے اسلام کا بیج بو گیا تھا جو مرتے وقت پھل پھول لے آیا تھا۔[1]

انہی ایام میں ضماد ازدی مکّہ میں آیا یہ یمن کا باشندہ تھا اور عرب کا مشہور جادوگر تھا، جب اُس نے سُنا کہ محمد (ﷺ) پر جنات کا اثر ہے تو اس نے قریش سے کہا کہ میں محمد (ﷺ) کا علاج اپنے منتر سے کر سکتا ہوں، یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا '' محمد (ﷺ) آؤ تمھیں منتر سناؤں، نبی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۲۷، ۴۲۸، مسند احمد ۵۔۴۲۷، ابن حجر نے اس کی سند کی توثیق فرمائی ہے، الاصابہ ۱۔۱۴۶

ﷺ نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سُن لو، پھر آنحضرت ﷺ نے اُسے سُنایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَمَّا بَعْدُ :"

"سب تعریف اللہ کے واسطے ہے، ہم اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور ہر کام میں اُس کی اعانت چاہتے ہیں، جسے خدا راہ دکھاتا ہے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے خدا ہی راستہ نہ دکھائے اس کی کوئی رہبری نہیں کر سکتا، میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مین یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) خدا کا بندہ اور رسول ہے، اُس کے بعد مدعا یہ ہے۔"

ضمادؓ نے اس قدر سنا تھا کہ بول اٹھا کہ انہیں کلمات کو پھر سنا دیجئے، دو تین دفعہ اس نے انہی کلمات کو سنا پھر بے اختیار بول اٹھا، میں نے بہتیرے کاہن دیکھے اور ساحر دیکھے، شاعر سنے، لیکن ایسا کلام تو میں نے کسی سے بھی نہ سنا، یہ کلمات تو ایک اتھاہ سمندر جیسے ہیں، محمدؐ! خدارا ہاتھ بڑھایئے کہ میں اسلام کی بیعت کرلوں۔[1]

انہی دنوں طُفیل بن عمرو مکہ میں آیا یہ قبیلۂ دَوس کا سردار تھا اور نواحی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ

یمن میں ان کے خاندان میں رئیسانہ حکومت تھی، طفیل بذاتِ خود شاعر، دانشمند شخص تھا، اہلِ مکّہ نے آبادی سے باہر جا کر اس کا استقبال کیا اور اعلیٰ پیمانہ پر اس کی خدمت اور تواضع کی، طفیل کا اپنا بیان ہے:

''مجھے اہلِ مکّہ نے یہ بھی بتایا کہ یہ شخص جو ہم میں سے نکلا ہے اس سے ذرا بچنا، اسے جادو آتا ہے، جادو سے باپ بیٹے، زن و شوہر، بھائی بھائی میں جدائی ڈال دیتا ہے، ہماری جمعیت کو پریشان اور ہمارے کام ابتر کر دیے ہیں، ہم نہیں چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم پر بھی ایسی ہی کوئی مصیبت پڑے، اس لئے ہماری زور سے یہ نصیحت ہے کہ نہ اس کے پاس جانا، نہ اس کی بات سننا اور نہ خود بات چیت کرنا۔''

''یہ باتیں انہوں نے ایسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کر دیں کہ جب میں کعبہ میں جانا چاہتا تو کانوں کو روئی سے بند کر لیتا تاکہ محمد (ﷺ) کی آواز کی بھنک میرے کان میں نہ پڑ جائے، ایک روز میں صبح ہی خانۂ کعبہ میں گیا، نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، چونکہ خدا کی مشیت یہ تھی کہ انکی آواز میری سماعت تک ضرور پہنچے، اس لئے میں نے سنا کہ ایک عجیب کلام وہ پڑھ رہے ہیں اس وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں، باعلم ہوں، اچھے برے کی تمیز رکھتا ہوں، پھر کیا وجہ ہے؟ اور کون سی روک ہے کہ میں ان کی بات نہ سنوں؟ اچھی بات ہوگی تو مانوں گا، ورنہ نہیں مانوں گا، میں یہ ارادہ کر کے ٹھہر گیا،

جب نبی ﷺ واپس گھر کو چلے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا اور جب مکان پر حاضر ہوا تو نبی ﷺ کو اپنا واقعہ ملّہ میں آنے، لوگوں کے بہکانے اور کانوں میں روئی لگانے اور آج حضور ﷺ کی زبان سے کچھ سن پانے کا سنایا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی بات سنائیے، نبی ﷺ نے قرآن پڑھا، بخدا میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا ہی نہ تھا جو اس قدر نیکی اور انصاف کی ہدایت کرتا ہو۔"

الغرض طفیلؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے، جسے قریش بات بات میں مخدوم ومطاع کہتے تھے وہ بات کی بات میں محمد ﷺ کا دل و جان سے خادم اور مطیع بن گیا، قریش کو ایسے شخص کا مسلمان ہونا نہایت ہی شاق و ناگوار گذرا۔[1]

ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے شہر یثرب ہی میں تھے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق کچھ اڑتی سی خبر سنی انہوں نے اپنے بھائی سے کہا تم جاؤ ملّہ میں اس شخص سے مل کر آؤ۔

انیسؓ برادرِ ابوذر ایک مشہور فصیح شاعر، زبان آور تھا وہ ملّہ میں آیا، نبی ﷺ سے ملا، پھر بھائی کو جا بتایا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو ایک ایسا شخص پایا جو نیکیوں کے کرنے کا اور شر سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔

ابوذرؓ بولے اتنی سی بات سے کچھ تسلی نہیں ہوتی، آخر خود پیدل چل کر

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ دوس والطفیل بن عمرو میں بہت اختصار سے یہ واقعہ مروی ہے، تفصیل ابن سعد ۱۔۳۵۳، اور شرح المواہب ۴۔۳۷ میں ملاحظہ ہو۔

ملّہ پہنچے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی شناخت نہ تھی اور کسی سے دریافت کرنا بھی وہ پسند نہ کرتے تھے، زمزم کا پانی پی کر کعبہ ہی میں لیٹ رہے، علی مرتضیٰؓ آئے، انہوں نے پاس کھڑے ہو کر کہا کہ یہ تو کوئی مسافر معلوم ہوتا ہے، بولے ہاں! علی مرتضیٰؓ نے کہا اچھا میرے یہاں چلو، یہ رات وہیں رہے، نہ علی مرتضیٰؓ نے کچھ پوچھا، نہ ابوذرؓ نے کچھ کہا، صبح ہوئی، ابوذرؓ پھر کعبہ میں آگئے، دل میں آنحضرت ﷺ کی تلاش تھی مگر کسی سے دریافت نہ کرتے تھے، علی مرتضیٰؓ پھر آپہنچے انہوں نے فرمایا کہ شاید تمہیں اپنا ٹھکانہ نہ ملا، ابوذرؓ بولے ہاں! علی مرتضیٰؓ پھر ساتھ لے گئے، اب انہوں نے پوچھا، تم کون ہو اور کیوں یہاں آئے ہو؟ ابوذرؓ نے کہا راز رکھو تو میں بتا دیتا ہوں، علی رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا۔

ابوذرؓ نے کہا میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے کو نبی اللہ بتاتا ہے......... میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا وہ یہاں سے کچھ تسلّی بخش بات لے کر نہ گیا، اس لئے خود آیا ہوں۔

علی مرتضیٰؓ نے کہا تم خوب آئے اور خوب ہوا کہ مجھ سے ملے، دیکھو میں انہیں کی خدمت میں جا رہا ہوں، میرے ساتھ چلو، میں اندر جا کر دیکھ لوں گا اگر اس وقت ملنا مناسب نہ ہوگا تو میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا، گویا جوتا درست کر رہا ہوں۔

الغرض ابوذرؓ، علی مرتضیٰؓ کے ساتھ خدمتِ نبویؐ میں پہنچے اور عرض کیا مجھے بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے؟

نبی ﷺ نے فرمایا ''ابوذر! تم ابھی اس بات کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ جب تمہیں ہمارے ظہور کی خبر مل جائے تب آ جانا، حضرت ابوذرؓ بولے بخدا میں تو ان دشمنوں میں اعلان کر کے جاؤں گا، اب ابوذر رضی اللہ عنہ کعبہ کی طرف آئے، قریش جمع تھے، انہوں نے سب کو سنا کر بآوازِ بلند کلمہ شہادت پڑھا، قریش نے کہا اس بے دین کو مارو، لوگوں نے مار ڈالنے کے لئے مجھے مارنا شروع کیا، عباسؓ آگئے، انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا کہا کم بختو! یہ تو قبیلۂ غفار کا آدمی ہے، جہاں تم تجارت کو جاتے اور کھجوریں لاتے ہو، لوگ ہٹ گئے، اگلے دن انہوں نے پھر سب کو سنا کر کلمہ پڑھا، پھر لوگوں نے مارا اور عباسؓ نے ان کو چھڑایا اور یہ اپنے وطن کو چلے آئے۔[1]

بیعتِ عقبہ اور اشاعتِ اسلام

۱۱ھ نبوت کے موسم حج کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے رات کی تاریکی میں شہر مکّہ سے چند میل پرے مقامِ عقبہ پر لوگوں کو باتیں کرتے سنا، اس آواز پر خدا کا نبی ﷺ ان لوگوں کے پاس پہونچا، یہ چھ آدمی یثرب سے آئے تھے، ان کے سامنے نبی ﷺ نے خدا کی عظمت وجلال کا بیان شروع کیا ان کی محبت کو خدا کے ساتھ گرمایا، بتوں سے ان کو نفرت دلائی، نیکی و پاکیزگی کی تعلیم دیکر گناہوں اور برائیوں سے منع فرمایا، قرآن کی تلاوت فرما کر ان کے دلوں کو روشن

---

[1] صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام ابی ذرؓ۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہؓ، باب من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ

فرمایا، یہ لوگ اگر چہ بت پرست تھے لیکن انھوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بارہا ذکر کرتے سنا تھا کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے .... اس تعلیم سے وہ اسی وقت ایمان لے آئے اور جب اپنے وطن لوٹ کر گئے تو دینِ حق کے سچے داعی بن گئے۔ [1]

وہ ہر ایک کو خوشخبری سناتے تھے کہ وہ نبیؑ جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آ گیا.... ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا، ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا اور اس نے ہم کو اُس زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ [2]

ان لوگوں کے بشارت لے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یثرب کے گھر گھر میں آنحضرت ﷺ کا ذکر ہونے لگا، اور اگلے سال ۱۲ھ نبوت میں یثرب کے باشندے مکہ میں حاضر ہوئے اور نبی ﷺ کے فیضان سے دولت ایمان حاصل کی۔

ان لوگوں نے جن باتوں پر نبی ﷺ سے بیعت کی تھی وہ یہ ہیں:

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زنا نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۲۸، ۴۲۹

[2] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۲۸، ۴۲۹

(۴) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے۔
(۵) ہم نبی ﷺ کی اطاعت ہر ایک اچھی بات میں کیا کریں گے۔[۱]

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے انکی تعلیم کے لئے مصعبؓ بن عمیر کو ساتھ کر دیا، مصعبؓ بن عمیر امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے، جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تھے تو آگے پیچھے غلام چلا کرتے تھے، بدن پر دوسو روپے سے کم کی کبھی پوشاک نہیں پہنتے تھے مگر جب ان کو اسلام کے طفیل روحانی عیش حاصل ہوا تو ان جسمانی آرائشوں کو انھوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا جن دنوں یہ مدینہ میں دین کی منادی کرتے اور اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے ان دنوں ان کے کندھے پر صرف کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا جسے اگلی طرف سے کانٹوں سے اٹکا لیا کرتے تھے۔[۲]

حضرت مصعبؓ مدینہ میں اسعد بن زُرارہ کے گھر جا کر اترے تھے اور ان کو مدینہ والے المُقری (پڑھانے والا استاد) کہا کرتے تھے، ایک دن مصعبؓ و اسعدؓ اور چند مسلمان بئر مرق پر جمع ہوئے یہ غور کرنے کے لئے کہ بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر میں کیوں کر اسلام کی منادی کی جائے۔

سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر ان قبائل کے سردار تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، انھیں بھی خبر ہوئی سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا:

---

[۱] صحیح البخاری کتاب الایمان، باب حدثنا ابوالیمان، ابن ہشام نے سیرت میں صحیح سند سے پورا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے ۱۔ ۴۳۱ تا ۴۳۴

[۲] اسد الغابۃ ۴۔۴۰۶ ذکر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

تم کس غفلت میں پڑے ہو، دیکھو! یہ دونوں ہمارے گھروں میں آکر ہمارے بیوقوفوں کو بہکانے لگے، تم جاؤ انھیں جھڑک دو اور یہ کہہ دو کہ ہمارے محلوں میں پھر کبھی نہ آئیں، میں خود ایسا کرتا میں اس لئے خاموش ہوں کہ اسعد میری خالہ کا بیٹا ہے۔

اُسید بن حضیر اپنا ہتھیار لے کر روانہ ہوا، اسعدؓ نے مصعبؓ کو کہا دیکھو یہ قبیلے کا سردار آرہا ہے خدا کرے وہ تیری بات مان جائے، مصعبؓ نے کہا وہ اگر آکر بیٹھ گیا تو میں اس سے ضرور کلام کروں گا اتنے میں آپہنچا اور کھڑا کھڑا گالیاں دیتا رہا اور یہ بھی کہا کہ تم ہمارے احمق، نادان لوگوں کو پھسلانے آئے ہو۔

مصعبؓ نے کہا کاش آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں اگر پسند آئے تو قبول فرمائیں ناپسند ہو تو اسے چھوڑ جائیں، اُسید نے کہا خیر کیا مضائقہ ہے، مصعبؓ نے سمجھایا کہ اسلام کیا ہے اور پھر اسے قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا اسید نے سب کچھ چپ چاپ سنا بالآخر کہا، ہاں! یہ تو بتاؤ کہ جب کوئی تمہارے دین میں داخل ہونا چاہتا ہے تو کیا کرتے ہو؟

انھوں نے کہا نہلا کر پاک کپڑے پہنا کر کلمہ شہادت پڑھا دیتے ہیں اور دو رکعت نفل پڑھوا دیتے ہیں، اسید اٹھا کپڑے دھوئے، کلمہ شہادت پڑھا اور نفل ادا کی، پھر کہا میرے پیچھے ایک اور شخص ہے اگر وہ تمہارا پیرو ہو گیا تو پھر کوئی تمہارا مخالف نہ رہے گا اور میں ابھی جا کر اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں اسید یہ کہہ کر چلا گیا، ادھر سعد بن معاذ اس کے انتظار میں تھا دور سے چہرہ دیکھتے ہی

بولا دیکھو اسید کا چہرہ وہ نہیں جو جاتے وقت تھا جب اسید آ بیٹھا تو سعدؔ نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اسید بولا میں نے انہیں سمجھا دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے منشا کے خلاف نہ کریں گے مگر وہاں تو ایک اور حادثہ پیش آیا، بنو حارثہ وہاں آ گئے تھے اور وہ اسعدؔ بن زرارہ کو اس لئے قتل کرنے پر آمادہ ہیں کہ وہ تیرا بھائی ہے، یہ سن کر سعد بن معاذ غصہ میں بھر گیا اور اپنا حربہ سنبھال کر کھڑا ہو گیا، اسے ڈر تھا کہ بنو حارثہ اس کے بھائی کو مار نہ ڈالیں اس نے چلتے وقت یہ بھی کہا کہ اسید! تم کچھ بھی کام نہ بنا کر آئے، سعد وہاں پہنچا دیکھا کہ مصعبؓ و اسعدؓ دونوں باطمینان بیٹھے ہوئے ہیں، سعد نے سمجھا کہ اسید نے مجھے ان کی باتیں سننے کے لئے بھیجا ہے یہ خیال آتے ہی انہیں گالیاں دینے لگا اور اسعد کو یہ بھی کہا کہ اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو تمہاری کیا مجال تھی کہ ہمارے محلّہ میں چلے آتے، اسعدؓ نے مصعبؓ سے کہا دیکھو یہ بڑے سردار ہیں اور اگر ان کو سمجھا دو تو پھر کوئی دو آدمی بھی تمہارے مخالف نہ رہ جائیں گے، مصعب نے سعد سے کہا آیئے بیٹھ جایئے کوئی بات کریں، ہماری بات پسند آئے تو قبول فرمایئے ورنہ انکار کر دیجئے، سعد حربہ رکھ کر بیٹھ گئے، حضرت مصعب نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن بھی پڑھ کر سنایا، آخر سعد نے وہی سوال کیا جو اسید نے کیا تھا، الغرض سعد اٹھے اور نہایا، کپڑے دھوئے، کلمہ پڑھا، نفل ادا کی اور ہتھیار لے کر اپنی مجلس میں واپس آئے، آتے ہی اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکار کر کہا:

اے بنی عبد الاشہل! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟

سب نے کہا، تم ہمارے سردار ہو تمہاری رائے، تمہاری تلاش، بہتر اور اعلیٰ ہوتی ہے، حضرت سعد بولے سنو! خواہ کوئی مرد ہو یا عورت میں اس سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں جب تک کہ وہ خدا اور رسول پر ایمان نہ لائے۔

اس کہنے کا اثر یہ ہوا کہ بنی عبدالاشہل میں شام تک کوئی مرد اسلام سے خالی نہ رہا اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔[1]

بیعت عقبہ ثانیہ

حضرت مصعبؓ کی تعلیم سے اسلام کا چرچا اسی طرح تمام انصار کے قبیلوں میں پھیل گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ۱۳ نبوت میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں یثرب کے قافلہ میں مل کر مکہ آئے، ان کو یثرب کے اہل ایمان نے اس لئے بھیجا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں اور نبی ﷺ سے منظوری حاصل کریں۔

یہ راست بازوں کا گروہ اسی متبرک مقام پر جہاں دو سال سے اس شہر یثرب کے مشتاق حاضر ہوا کرتے تھے رات کی تاریکی میں پہنچ گیا، اور خدا کے برگزیدہ رسول بھی اپنے چچا عباس کو ساتھ لیے ہوئے وہاں جا پہونچے۔

حضرت عباس نے (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) اس وقت ایک کام کی بات کہی، انھوں نے کہا لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ قریشِ مکہ محمد کے جانی دشمن ہیں اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگو تو پہلے سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔ ۴۳۵ تا ۴۳۷

ہے، محمد سے عہد و پیمان کرنا سرخ وسیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے، جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو، ورنہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ کرو۔

ان راست بازوں نے عباس کو کچھ جواب نہ دیا، ہاں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور کچھ ارشاد فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو کلام الٰہی پڑھ کر سنایا جس کے سنتے ہی وہ ایمان وایقان کے نور سے بھر پور ہو گئے۔

ان سب نے عرض کی کہ خدا کے نبی ﷺ ہمارے شہر چل بسیں تا کہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو سکے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

۱۔ کیا تم دین حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے؟

۲۔ اور جب میں تمھارے شہر میں جا بسوں کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کے مانند کرو گے؟

ایمان والوں نے پوچھا ایسا کرنے کا ہم کو معاوضہ کیا ملے گیا؟

نبی ﷺ نے فرمایا بہشت (جو نجات اور خوشنودی کا محل ہے)

ایمان والوں نے عرض کیا اے خدا کے رسول ﷺ یہ تو ہماری تسلی فرما دیجئے کہ حضور ﷺ ہم کو کبھی نہ چھوڑیں گے؟

نبی ﷺ نے فرمایا نہیں! میرا جینا، میرا مرنا تمھارے ساتھ ہوگا، اس آخری فقرے کو سننا تھا کہ عاشقانِ صداقت عجب سرور ونشاط کے ساتھ جاں نثاری

کی بیعتِ اسلام کرنے لگے، براءؓ بن معرور پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس شب سب سے پہلے بیعت کی تھی۔

ایک شیطان نے پہاڑ کی چوٹی سے یہ نظارہ دیکھا اور چیخ کر اہل مکہ کو پکار کر کہا لوگو! آؤ دیکھو کہ محمد اور اس کے فرقے کے لوگ تم سے لڑائی کے مشورے کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس آواز کی پرواہ نہ کرو عباس بن عبادہ نے کہا اگر حضور کی اجازت ہو تو ہم کل ہی مکہ والوں کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں! مجھے جنگ کی اجازت نہیں، اس کے بعد نبی ﷺ نے ان میں سے بارہ شخصوں کا انتخاب کیا اور ان کا نام نقیب رکھا اور یہ فرمایا کہ جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ نے اپنے لئے بارہ شخصوں کو چن لیا تھا اسی طرح میں تمھیں انتخاب کرتا ہوں، تا کہ تم اہل یثرب میں جا کر دین کی اشاعت کرو، مکہ والوں میں میں خود یہ کام کرونگا۔

ان کے نام یہ ہیں:۔

قبیلہ خزرج کے ۹۔ اَسعد بن زُرارہ، رافع بن مالک، عُبادہ بن صامت (یہ تینوں عقبہ اولیٰ میں بھی تھے) سعد بن رَبیع، مُنذِر بن عَمرو، عبداللہ بن رواحہ، بَراء بن مَعرُور، عبداللہ بن عَمرو بن حَرام، سعد بن عُبادہ۔

قبیلہ اوس کے تین۔ اُسید بن حضیر، سعد بن خَیثمہ، ابوالہیثم بن تیہان۔[1]

---

[1] مسند احمد ۳۔۳۲۲۔۳۳۹ مستدرک حاکم ۲۔۶۲۴، ۶۲۵، امام ذہبی نے حاکم کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۳۸ تا ۴۴۸، ۴۶۷، نیز فتح الباری ۷۔۲۱۹ تا ۲۲۳۔

قریش کو دن نکلنے کے بعد کچھ بھنک سی معلوم ہوئی، وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے لیکن ان کا قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا، قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو وہاں پایا، حضرت منذرؓ تو نکل گئے اور ان کے ہاتھ نہ آئے مگر سعد بن عبادہؓ کو انہوں نے پکڑ لیا، ان کی سواری کے اونٹ کا تنگ کھول کر اس کی مشکیں باندھ دیں، مکّہ میں لاکر انہیں مارتے اور ان کے سر کے لمبے لمبے بالوں کو کھینچتے تھے، یہ سعد بن عبادہ وہی ہیں جن کو نبی ﷺ نے اُن ۱۲/ اشخاص میں سے ایک نقیب ٹھہرایا تھا، ان کا اپنا بیان ہے کہ جب قریش انہیں زدوکوب کر رہے تھے تو ایک سرخ وسفید شیریں شمائل شخص انہیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس قوم میں کسی سے مجھے بھلائی حاصل ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہوگا، جب وہ میرے پاس آگیا تو اس نے نہایت زور سے منہ پر طمانچہ لگایا، اس وقت مجھے یقین آگیا کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس سے خیر کی امید کی جاسکے، اتنے میں ایک اور شخص آیا، اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا کیا قریش کے کسی بھی شخص کے ساتھ تجھے حقِ ہمسائیگی حاصل نہیں اور کسی سے بھی تیرا عہد و پیمان نہیں ؟ میں نے کہا ہاں ! جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب جو عبدمناف کے پوتے ہیں وہ تجارت کے لئے ہمارے یہاں جایا کرتے ہیں اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے، اس نے کہا کہ پھر انہی دونوں کے نام کی دہائی تجھے دینی اور اپنے تعلقات کا اظہار کرنا چاہئے، میں نے ایسا ہی کیا پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس پہونچا اور انہیں بتایا کہ خزرج کا ایک آدمی پٹ رہا ہے اور وہ

تمہارا نام لے کر تمیں پکار رہا ہے، ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے اس نے بتایا کہ سعد بن عبادہ، وہ بولے ہاں، اس کا ہم پر احسان بھی ہے، انہوں نے آکر سعد بن عبادہ کو چھڑایا اور یہ ثابت قدم بزرگ یثرب کو تشریف لے گئے۔[۱]

ہجرت کرنے کی اجازت

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد نبی ﷺ نے ان مسلمانوں کو جو ابھی مکّہ سے باہر نہیں گئے تھے لیکن جن پر اتنے ظلم وستم ہونے لگے تھے کہ پیارا وطن ان کے لئے آگ کا پہاڑ بن گیا، یثرب چلے جانے کی اجازت فرمادی، ان ایمان والوں کو گھر بار، خویش واقارب، باپ، بھائی، زن وفرزند کے چھوڑنے کا ذرا غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جا کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کرسکیں گے۔[۲]

ہجرت کرنے والوں اور گھر چھوڑنے والوں کو قریشِ مکّہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا۔

حضرت صہیب رومیؓ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار نے انہیں آگھیرا، کہا صہیب! جب تو مکہ میں آیا تھا تو مفلس وقلاش تھا یہاں ٹھہر کر تو نے ہزاروں کمائے، آج یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے سب مال وزر لے کر چلا جائے، یہ تو کبھی نہیں ہونے کا، حضرت صہیبؓ نے کہا؛ اچھا اگر میں اپنا سارا

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ا۔۴۴۹، ۴۵۰ رحمۃ للعالمین ا۔۸۱۔

[۲] زادالمعاد ۳۔۴۹ رحمۃ للعالمین ا۔۸۲۔

مال ومتاع تمہیں دیدوں تب تم مجھے جانے دوگے؟ قریش بولے ہاں! حضرت صہیبؓ نے سارا مال انہیں دیدیا اور یثرب کو روانہ ہوگئے۔ نبی ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ اس سودے میں صہیبؓ نے نفع کمایا۔ [۱]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میرے شوہر ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا مجھے اونٹ پر چڑھایا، میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا، جب ہم چل پڑے تو بنو مغیرہ نے آکر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا، کہا: کہ تو جاسکتا ہے مگر ہماری لڑکی نہیں لے جاسکتا، اب بنو عبدالاسد بھی آگئے، انہوں نے ابو سلمہ سے کہا؛ تو جاسکتا ہے مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے تو نہیں لے جاسکتا، غرض انہوں نے ابو سلمہؓ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھادیا، بنو عبدالاسد تو ماں کی گود سے بچہ کو چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ ام سلمہ کو لے آئے، ابو سلمہ جو دین کے لئے ہجرت کرنا فرض سمجھتے تھے زن و بچہ کے بغیر روانہ ہوگئے، ام سلمہؓ شام کو اسی جگہ جہاں بچہ اور شوہر سے جدا کی گئی تھیں پہونچ جاتیں اور گھنٹوں رو دھو کر واپس آجاتیں، ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا، آخر ان کے چچیرے بھائی کو رحم آیا اور ہر دو قبائل سے کہہ سن کر ام سلمہ کو اجازت دلادی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں، بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا، ام سلمہؓ ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو تنِ تنہا چل دیں، ایسی مشکلات کا سامنا تقریباً ہر ایک صحابی کو کرنا پڑا تھا۔ [۲]

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۷۷ دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۔۵۲۲

[۲] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۶۷، ۴۶۸

حضرت عمر فاروقؓ کا بیان ہے کہ حضرت عیاشؓ بن ربیعہ اور حضرت ہشام صحابیؓ بھی ان کے ساتھ مدینہ چلنے کو تیار ہوئے تھے، حضرت عیاشؓ تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہونچ گئے مگر ہشامؓ بن عاص کی بابت کفار کو خبر لگ گئی ان کو قریش نے قید کر دیا، حضرت عیاشؓ مدینہ جا پہونچے کہ ابو جہل مع اپنے برادر حارث کے مدینہ پہونچا، عیاشؓ ان کے چچیرے بھائی تھے اور تینوں کی ماں ایک تھی، ابو جہل و حارث نے کہا کہ تمہارے بعد والدہ کی بُری حالت ہو رہی ہے، اس نے قسم کھالی ہے کہ عیاشؓ کا منہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کروں گی، نہ سایہ میں بیٹھوں گی، اس لئے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دے کر آ جانا۔

عمر فاروقؓ نے کہا عیاش! مجھے تو فریب معلوم ہوتا ہے تمہاری ماں کے سر کوئی جوں پڑ گئی تو وہ خود ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی دھوپ نے ذرا خبر لی تو وہ خود ہی سایہ میں جا بیٹھے گی، میری رائے تو یہ ہے کہ تم کو جانا نہیں چاہئے، عیاشؓ بولے نہیں میں والدہ کی قسم پوری کر کے واپس آ جاؤں گا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: اچھا اگر یہی رائے ہے تو سواری کے لئے میرا ناقہ لے جاؤ، یہ بہت تیز رفتار ہے، اگر راستہ میں ذرا بھی ان سے شبہ گزرے تو تم اس ناقہ پر بآسانی ان کی گرفت سے بچ کر آ سکو گے۔

حضرت عیاشؓ نے ناقہ لے لیا، یہ تینوں چل پڑے، ایک روز راہ میں (مکہ) کے قریب ابو جہل نے کہا: بھائی ہمارا اونٹ تو ناقہ کے ساتھ چلتا چلتا رہ گیا، بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو، عیاشؓ بولے بہتر ہے، جب عیاشؓ

نے ناقہ بٹھایا تو دونوں نے انہیں پکڑلیا، مشکیں کس لیں اور مکّہ میں اسی طرح لے
کر داخل ہوئے، یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ دیکھو کہ بیوقوفوں اور احمقوں
کو اسی طرح سزادیا کرتے ہیں، اب عیاشؓ کو بھی ہشام بن عاصؓ کے ساتھ قید
کردیا گیا، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ پہونچ گئے تب حضور ﷺ کی تمنا پوری
کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ مکّہ آئے اور قید خانے سے دونوں کو راتوں رات
نکال کر لے گئے۔[۱]

رسول اللہ ﷺ کیخلاف قریش کی سازش اور ناکامی اور آپکی ہجرتِ مدینہ

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جاکر طاقت پکڑتے جاتے
ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے، اس بنا پر انہوں نے دارالندوہ جو دارالشوریٰ تھا
میں اجلاسِ عام کیا، ہر قبیلہ کے رؤساء شریک تھے، لوگوں نے مختلف رائیں پیش
کیں، ایک نے کہا ''محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کردیا
جائے، دوسرے نے کہا ''جلاوطن کردینا کافی ہے'' ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلے سے
ایک ایک شخص کا انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ
کردے، اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا، اور آلِ ہاشم
اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے، اس اخیر رائے پر اتفاق عام ہوگیا اور جھٹ
پٹے سے آکر رسول ﷺ کے آستانۂ مبارک کا محاصرہ کرلیا گیا، اہلِ عرب زنانہ
مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت

[۱] مستدرک حاکم ۳۔۲۳۵، امام ذہبی نے روایت کی تصحیح فرمائی ہے۔

ﷺ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔[1]

رسول اللہ ﷺ سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی، تاہم آپ ﷺ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ﷺ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا، اس وقت بھی بہت سی امانتیں جمع تھیں، آپ ﷺ کو قریش کے ارادے کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ "مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے، میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا[2] تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا، حضرت علیؓ تو ان تلواروں کے سائے میں نہایت بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے اور خدا کا رسول (ﷺ) خدا کی حفاظت میں باہر نکلا اور ان دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا اور سورۂ "یٰسٓ" پڑھتا ہوا صاف نکل گیا، کسی نے نبی ﷺ کو جاتے نہ دیکھا،[3] یہ واقعہ ۲۷ر صفر ۱۳ نبوت روز پنج شنبہ (۱۲ر ستمبر ۶۲۱ء) کا ہے۔[4]

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول ﷺ دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر صدیق کے گھر پر گئے دستور کے مطابق دروازہ پر دستک دی، اجازت کے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۸۰

[2] ہجرت کا حکم آپ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں صراحت ہے۔ کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینہ

[3] مسند احمد ۱۔۳۴۸، مصنف عبدالرزاق ۵۔۳۸۹

[4] سیرۃ النبیؐ ۱،۲۷۰، رحمۃ للعالمین ۱۔ ۸۵

بعد گھر میں تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ "کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹادو" بولے کہ "یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی) آپ ﷺ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بے تابی سے کہا "میرا باپ آپ پر فدا ہو، کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہاں" حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں، عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں، محسنِ عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا، ارشاد ہوا "اچھا، مگر بقیمت" حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا، حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں، انکی بڑی بہن حضرت اسماء نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نِطَاق (جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں) پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک انکو "ذات النطاقین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

آپ نے کعبہ پر وداعی نگاہ ڈالی اور فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔[2] شب کی تاریکی میں دونوں بزرگوار چل پڑے، مکّہ سے چار پانچ میل کے فاصلے پر کوہِ ثور ہے اس کی

---

[1] صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینہ

[2] امام ترمذی، امام دارمی اور ابن ماجہ نے "واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی ولولا انی اُخرجت منک ماخرجت" کے الفاظ نقل کئے ہیں، اور امام ترمذی نے حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے۔

چڑھائی سرتوڑ ہے، راستہ سنگلاخ تھا، نکیلے پتھر نبی ﷺ کے پائے نازک کو زخمی کررہے تھے اور ٹھوکر لگنے سے بھی تکلیف ہوتی تھی، ابوبکرؓ نے نبی ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھالیا، آخر ایک غار تک پہنچے، ابوبکرؓ نے نبی ﷺ کو باہر ٹھہرایا، خود اندر جا کر غار کو صاف کیا، تن کے کپڑے پھاڑ کر غار کے روزن بند کئے اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ بھی تشریف لے آئیں۔ [۱]

صبح ہوئی، حضرت علیؓ حسبِ معمول خواب سے بیدار ہوئے، قریش نے قریب جا کر انہیں پہچانا، پوچھا محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا مجھے کیا خبر، کیا میرا پہرہ تھا؟ تم لوگوں نے انھیں نکل جانے دیا اور وہ نکل گئے قریش غصہ اور ندامت سے علیؓ پر پل پڑے، ان کو مارا اور خانۂ کعبہ تک پکڑ لائے اور تھوڑی دیر حبس میں رکھا آخر چھوڑ دیا۔ [۲]

اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ کہتی ہیں کہ میرے والد جاتے ہوئے گھر سے نقد روپیہ سب اٹھالے گئے، یہ پانچ چھ ہزار روپے تھے، والد کے چلے جانے کے بعد میرے دادا ابوقحافہ نے کہا کہ بیٹی میں سمجھتا ہوں کہ ابوبکرؓ نے تم کو دُہری تکلیف میں ڈال دیا، وہ خود بھی چلے گئے اور نقد و مال بھی ساتھ لے گئے، حضرت اسماءؓ بولیں، دادا جان! وہ ہمارے لئے کافی روپیہ چھوڑ گئے ہیں، اسماءؓ نے ایک پتھر لیا اور اس پر ایک کپڑا لپیٹا اور جس گڑھے میں روپیہ ہوا کرتا تھا وہاں رکھ دیا اور پھر

---

[۱] مستدرک حاکم ۳۔۶، دلائل النبوۃ ۲۔۴۷۷، السیرۃ النبویہ للذہبی ص ۲۲۱، رحمۃ للعالمین ۱۔۸۵

[۲] تاریخ طبری ۱۔۵۶۸

دادا کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں، ابوقحافہ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، کہا دادا جان! ہاتھ لگا کر دیکھو کہ مال موجود ہے، بوڑھے نے اُسے ٹٹولا اور پھر کہا خیر جب تمہارے پاس سرمایہ کافی ہے تو ابوبکرؓ کے جانے کا چنداں غم نہیں، یہ ابوبکرؓ نے اچھا کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لئے کافی انتظام کر گئے ہیں، حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ یہ تدبیر میں نے بوڑھے دادا صاحب کے اطمینانِ قلب کے لئے کی تھی، ورنہ والد بزرگوار تو سب کچھ (نبی ﷺ کی خدمت کے لئے) ساتھ لے گئے تھے۔ [۱]

یہ چاند اور سورج دونوں تین روز تک اسی غار میں رہے، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ جو نوخیز جوان تھے، شب کو غار میں ساتھ سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی، شام کو آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کرتے، حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا، آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی۔ [۲]

قریش آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے، آہٹ پا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۸۸

[۲] صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبیؐ

اللّٰہ مَعَنَا" گھبراؤنہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔[1]

چوتھے دن آپ غار سے نکلے عبداللہ بن اُریقط ایک کافر، جس پر اعتبار تھا رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کرلیا گیا تھا، وہ آگے آگے رستہ بتا تا جاتا تھا ایک رات دن برابر چلے گئے، دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سایہ میں آرام فرمالیں، چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اتر کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھادی، آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کھانے کو کچھ مل جائے تو لائیں، پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا اُس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کردے، پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا، برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے، دودھ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپ ﷺ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟ آفتاب ڈھل چکا تھا، اس لئے آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔[2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب المہاجرین وفضلھم، صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، فضائل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

[2] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فی حدیث الہجرۃ، صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب فی حدیث الہجرۃ

سُراقہ کا تعاقب

قریش نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص **مُحَمّد** (ﷺ) یا ابو بکر کو گرفتار کر لائے گا اس کو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سَو اونٹ) انعام دیا جائے گا، سُراقہ نے سنا تو انعام کی امید میں نکلا، عین اس حالت میں کہ آپ ﷺ روانہ ہو رہے تھے، اس نے آپ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ گر پڑا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟ جواب میں ''نہیں'' نکلا، لیکن سَو اُونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی، دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا، نبی ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور مالک سے لَو لگائے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے، اب کی گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی، اب بھی وہی جواب تھا لیکن مکرر تجربہ نے اُس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں، آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور اپنا سامان آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ قبول ہو، آپ ﷺ نے معذرت کی اور صرف یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ ﷺ کا پتہ نشان چھپایا جائے، سراقہ نے درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجیے، حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فُہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا۔[1]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبیؐ، سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۸۹، ۴۹۰

مُبارک شخص

غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلہ کا گذر اُم معبدؔ کے خیمہ پر ہوا، یہ عورت قوم خزاعہ سے تھیں، مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لئے مشہور تھیں، سرِ راہ پانی پلایا کرتی تھیں اور مسافر وہاں ٹھہر کر ستایا کرتے تھے، یہاں پہونچ کر بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے، وہ بولیں نہیں اگر کوئی شئے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی، نبی ﷺ نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی، پوچھا یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ ام معبد نے کہا کہ کمزور ہے، ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی، نبی ﷺ نے فرمایا ''اجازت ہے کہ ہم اسے دوہ لیں؟ ام معبد نے کہا کہ اگر حضور (ﷺ) کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوہ لیجئے، نبی ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا، برتن مانگا وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا، یہ دودھ آنحضرت ﷺ اور ہمراہیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا، برتن پھر بھر گیا، یہ بھی ہمراہیوں نے پیا، تیسری دفعہ برتن پھر بھر گیا اور وہ ام معبد کے لئے چھوڑ دیا گیا اور آگے کو روانہ ہو گئے۔

کچھ دیر بعد ام معبدؔ کے شوہر آئے، خیمہ میں دودھ کا برتن بھرا دیکھ کر حیران ہو گئے کہ یہ کہاں سے آیا، ام معبدؔ نے کہا کہ ایک بابرکت شخص یہاں آئے تھے اور یہ دودھ اُن کے قدوم کا نتیجہ ہے، وہ بولے کہ یہ تو وہی صاحبِ قریش معلوم ہوتے ہیں جن کی مجھے تلاش تھی، اچھا ذرا ان کی توصیف تو کرو،

ام معبد بولیں:

''میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی نظافت نمایاں، جس کا چہرہ تاباں، اور جس کی ساخت میں تناسب تھا، پاکیزہ رُو اور پسندیدہ خو، نہ فربہی کا عیب، نہ لاغری کا نقص، نہ پیٹ نکلا ہوا، نہ سر کے بال گرے ہوئے، چہرہ وجیہ، جسم تنومند اور قد موزوں تھا، آنکھیں سرگیں، فراخ اور سیاہ تھیں، پتلیاں کالی تھیں، ڈھیلے بہت سفید تھے، پلکیں گھنی اور لمبی تھیں، پُر وقار خاموش دلبستگی لئے ہوئے، کلام شیریں اور واضح، نہ کم سخن، نہ بسیار گو، گفتگو اس انداز کی جیسے پروئے ہوئے موتی، دو نرم و نازک شاخوں کے درمیان ایک شاخ تازہ جو دیکھنے میں خوش منظر، رفیق ان کے گردو پیش رہتے ہیں، جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں، مخدوم و مطاع، نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔''

یہ صفت سن کر وہ بولا کہ یہ تو ضرور صاحب قریش ہیں اور میں ان سے ضرور جاملوں گا۔[1]

نبی ﷺ یثرب جارہے تھے کہ اثنائے راہ میں بُریدہ اسلمی ملا، یہ اپنی قوم کا سردار تھا، قریش نے آنحضرت ﷺ کی گرفتاری پر ایک سَو اونٹ کا انعام مشتہر کیا تھا اور بُریدہ اسی لالچ میں آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلا، جب نبی ﷺ کے سامنے ہوا اور حضور ﷺ سے ہم کلام ہونے کا موقع ملا تو بریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہوگیا، اپنی پگڑی اتار کر نیزہ پر باندھ لی جس

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔۹۔۱۰، طبقات ابن سعد ۱۔۲۳۰، زادالمعاد ۳۔۵۶

کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت اور انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔[۱] راستہ میں نبی ﷺ کو زُبیر بن العوّام ملے، یہ شام سے آرہے تھے اور مسلمانوں کا تجارت پیشہ گروہ بھی ان کے ساتھ تھا، انھوں نے نبی ﷺ اور ابو بکرؓ کے لئے سفید پارچہ جات پیش کئے۔[۲]

نبی اکرم ﷺ کا مدینہ میں استقبال

تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے پہونچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر ﷺ آرہے ہیں، لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کرکے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے، ایک دن انتظار کرکے واپس جاچکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ "اہلِ عرب لو! تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا" تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا، انصار ہتھیار سج دھج کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے، اکثر مسلمان ایسے تھے جنہوں نے ہنوز دیدار پُرانوار سے چشم ظاہر بیں کو روشن نہ کیا تھا، انہیں نبی ﷺ اور ان کے رفیق ابو بکر صدیقؓ کی شناخت میں اشتباہ ہوجاتا تھا، حضرت ابو بکرؓ اس ضرورت کو تاڑ گئے اور سرِ مبارک پر سایہ کرکے کھڑے ہوگئے، مدینہ منورہ سے تین میل کے

---

[۱] السیرۃ النبویہ للذہبی ص ۲۲۸

[۲] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبیؐ

فاصلے پر جو بالائی آبادی ہے اُس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں، یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے، آنحضرت ﷺ یہاں پہونچے تو تمام خاندان نے جوشِ مسرت میں "اللّٰہ اکبر" کا نعرہ مارا، یہ فخر ان کی قسمت میں تھا کہ میزبانِ دوعالم نے ان کی مہمانی قبول کی، انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے۔[۱]

مسجدِ قبا کی تعمیر

یہاں آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد تعمیر کرانا تھا، کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں، یہیں دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہی مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ، فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (سورۂ توبہ ۱۰۸)

"وہ مسجد جسکی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبیؐ، صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب فی حدیث الہجرۃ، طبقات ابن سعد ۱۔۲۳۳

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ خود بھی کام کرتے تھے، بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا، عقیدت مند آتے اور عرض کرتے کہ "ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے، آپ ﷺ ان کی درخواست قبول فرماتے، لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھالیتے، [1] حضرت عبداللہؓ بن رواحہ شاعر تھے وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرتے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے ۔

أَفْلَحَ مَنْ يُعَالِجُ الْمَسَاجِدَا   وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَائِماً وَّقَاعِداً

ولا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِداً

"وہ کامیاب ہے جو مسجد درست کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ [2]

مدینہ کا پہلا جمعہ

۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو جمعہ کا دن تھا، نبی ﷺ قبا سے سوار ہو کر بنی سالم کے گھروں تک پہونچے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا، یہاں سَو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا، یہ اسلام مین پہلا جمعہ تھا، [3] آپ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا:

[1] وفاء الوفاء بحوالہ طبرانی کبیر ۱۔۱۸۰   [2] وفاء الوفاء ۱۔۱۸۱ بحوالہ ابن ابی شیبہ

[3] دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۔۵۰۰، زاد المعاد ۳۔۵۹

''حمد وستائش خدا کے لئے ہے، میں اسی کی حمد کرتا ہوں، مدد و بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں، میرا ایمان اُسی پر ہے، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں، میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں، وہ یکتا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے، اُسی نے محمدؐ کو ہدایت، نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانے میں بھیجا جبکہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا پر نہ آیا، علم گھٹ گیا اور گمراہی بڑھ گئی تھی، اسے آخری زمانہ میں قیامت کے قرب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا ہے، جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ پانے والا ہے، اور جس نے ان کا حکم نہ مانا وہ بھٹک گیا، درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا ہے، مسلمانو! میں تمہیں اللہ سے تقوی کی وصیت کرتا ہوں، بہترین وصیت جو مسلمان، مسلمان کو کر سکتا ہے یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے اور اللہ سے تقوی کے لئے کہے، لوگو! جن باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنے کو کہا ہے ان سے بچتے رہو، اِس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے، یاد رکھو! کہ امورِ آخرت کے بارے میں اس شخص کے لئے جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے، تقوی بہترین مددگار ثابت ہوگا اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ باطن و ظاہر میں درست کر لے گا اور ایسا کرنے میں اس کی نیت

خالص ہوئی تو ایسا کرنا اس کے لئے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد (جب انسان کو اعمال کی ضرورت وقدر معلوم ہوگی) ذخیرہ بن جائے گا، لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا (تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے) کہ انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے دور ہی رکھے جائیں، خدا تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے، اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت ارشادِ الٰہی موجود ہے، ''ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے ناچیز بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔'' مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ، ظاہر اور خفیہ کاموں میں اللہ سے تقوی کو پیش نظر رکھو کیونکہ تقوی والوں کی بدیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے، تقوی والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے، یہ تقوی ہی ہے جو اللہ کی بیزاری، عذاب اور غصہ کو دور کر دیتا ہے، یہ تقوی ہی ہے جو چہرہ کو درخشاں، پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کرتا ہے، مسلمانو! حظ اٹھاؤ، مگر حقوق الٰہی میں فروگذاشت نہ کرو، خدا نے اسی لئے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا رستہ دکھایا ہے کہ راست بازوں اور کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جائے، لوگو! خدا نے تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے، تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو، اور جو خدا کے دشمن ہیں انہیں دشمن سمجھو، اور اللہ کے رستہ میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو، اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا اور تمہارا نام

مسلمان رکھا، تاکہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے، اور سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہیں، لوگو! اللہ کا ذکر کرو اور آئندہ زندگی کے لئے عمل کرو، کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان معاملہ کو درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملہ کو درست کر دیتا ہے، ہاں! خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے اور اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، خدا بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں، خدا سب سے بڑا ہے اور ہم کو نیکی کرنے کی طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔[1]

مدینہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں قیام

مدینہ طیبہ میں جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیش قدمی کے لئے دوڑے، قُبا سے مدینہ تک دو رویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں، راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا "حضورؐ یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے" آپ ﷺ منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے اور فرماتے کہ میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اس کو خدا کی طرف سے حکم ہے، اسی طرح مدینہ کے پانچ بڑے بڑے قبیلوں کے سردار ملتے رہے اور یہی عرض کرتے رہے "حضورؐ یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے" آپ ﷺ یہی فرماتے "اس کا راستہ چھوڑ دو جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہیں جائیگی"[2]

---

[1] تاریخ طبری ۲۔۸۰۷ [2] دلائل النبوۃ ۲۔۵۰۳،۵۰۴

شہر قریب آ گیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ بچیاں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں ۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاعِ

''چاند نکل آیا ہے، کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں'' [۱]

بنو النجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں ۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ يَا حَبَّذَا مُحَمَّداً مِنْ جَارِ

''ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ﷺ کیا اچھے ہمسایہ ہیں''

آپ ﷺ نے لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟ بولیں ہاں! ''فرمایا میں بھی تم کو چاہتا ہوں ۔'' [۲]

جہاں اب مسجد نبویؐ ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا، اونٹنی وہاں پہونچ کر ٹھہر گئی، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا، انہوں نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپ ﷺ نے زائرین کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا ۔ [۳]

حضرت ابوایوبؓ دونوں وقت آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپ ﷺ جو چھوڑ دیتے ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ

[۱] دلائل النبوۃ ۲۔۵۰۶،۵۰۷

[۲] دلائل النبوۃ ۲۔۵۰۸، فتح الباری ۷۔۲۶۱

[۳] مستدرک حاکم ۳۔۴۶۰، امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۹۸

میں آتا، کھانے میں جہاں حضور ﷺ کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا ابوایوبؓ تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔[۱]

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا، اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جائے اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہو، گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا، حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے۔[۲]

مسجد نبویؐ اور مکانات کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی، اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، دولت کدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے، آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا "کہ میں یہ زمین بقیمت لینا چاہتا ہوں" وہ بولے کہ "ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے" چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی، آپ ﷺ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا، ان یتیموں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنا چاہی لیکن آپ ﷺ نے گوارہ نہ کیا، حضرت ابوایوبؓ نے قیمت ادا کی، قبریں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی، شہنشاہِ دو عالم (ﷺ) پھر مزدوروں کے لباس میں تھا،

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۴۹۹

[۲] مستدرک حاکم ۳۔۴۶۰

صحابہ کرامؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور رجز پڑھتے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور یہ پڑھتے ؎

اَللّٰهُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْآخِرَة　　　فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَة

''اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے، اے خدا! مہاجرین اور انصار پر رحم فرما'' [1]

یہ مسجد ہر قسم کی تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹوں کی دیواریں، برگِ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا، [2] لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا، فرش چونکہ بالکل خام تھا بارش میں کیچڑ ہو جاتا تھا، ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نماز کے لئے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھالیں، آنحضرت ﷺ نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوادیا، مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقّف چبوترا تھا جو صُفّہ کہلاتا تھا، یہ ان لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے، مسجد نبویؐ جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے لئے مکان بنوائے، اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقد نکاح میں آچکی تھیں اس لئے دو ہی حجرے بنے، جب اور ازواج آتی گئیں تو اور مکانات بنتے

---

[1] سیرۃ النبی ۱۔۲۸۰، ۲۸۱، بحوالہ صحیح البخاری وسنن ابی داؤد

[2] زاد المعاد ۳۔۶۳

گئے، یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے، ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے، جو حجرے اینٹوں کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے، ترتیب یہ تھی کہ ام سلمہؓ، ام حبیبہؓ، زینبؓ، جویریہؓ، میمونہؓ، زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہؓ، صفیہؓ، سودہؓ مقابل جانب تھیں، یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ ﷺ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواجِ مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ ﷺ کے بال دھو دیتی تھیں، یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا اور دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔[۱]

راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔[۲] آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ میں، جو انصار رہتے تھے اُن میں سعد بن عُبادہؓ، سعد بن معاذؓ، عُمارہ بن حزمؓ، اور ابوایوبؓ رئیس اور دولت مند تھے، یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپ ﷺ بسر کیا کرتے تھے، سعد بن عبادہؓ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جس میں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا،[۳] حضرت انسؓ کی ماں ام انس نے اپنی جائداد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی، آنحضرت

۱؎ سیرۃ النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانی ا۔ ۲۸۱، ۲۸۲ بحوالہ طبقات ابن سعد نیز وفاء الوفاء

۲؎ صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی الفراش

۳؎ طبقات ابن سعد، کتاب النساء، ص ۱۱۶

ﷺ نے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمن کو دیدیا اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔ [1]

اذان کی مشروعیت

اسلام کی تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت واجتماع ہے اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا، آنحضرت ﷺ کو یہ پسند نہ تھا، آپ نے ارادہ فرمایا کہ لوگ مقرر کر دئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں، لیکن اس میں زحمت تھی، صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا لوگوں نے مختلف رائیں دیں، کسی نے کہا کہ نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ کر آتے جائیں گے، آپ ﷺ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا، عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلانِ نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند کی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دیں، [2] اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الھبۃ، باب فضل المنیحۃ

[2] صحیح البخاری کتاب الاذان، باب بدء الاذان، صحیح مسلم اور دوسری صحاح کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ کا معاہدہ

مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے، گو ان میں دولت منداور خوشحال بھی تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اس لئے کچھ ساتھ نہ لاسکے تھے، اگر چہ مہاجرین کیلئے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، مہاجرین نذراور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، وہ دست وبازو سے کام لینے کے خوگر تھے، تاہم چونکہ بالکل خالی ہاتھ تھے اور ایک حبہ بھی پاس نہ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے خیال فرمایا کہ انصار اور اُن میں رشتۂ اخوت قائم کردیا جائے، جب مسجد نبویؐ کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار کو طلب فرمایا، حضرت انسؓ بن مالک جو اس وقت دس سالہ تھے، ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے[۱] مہاجرین کی تعداد ۴۵ رتھی، آنحضرت ﷺ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''یہ تمہارے بھائی ہیں'' پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو، اوراب وہ در حقیقت بھائی بھائی تھے، انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دیدیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے[۲] سعدؓ بن الربیع جو عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بھائی قرار پائے تھے ان کی دو بیویاں تھیں، عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ

---

[۱] زادالمعاد ۳۔۶۳

[۲] سیرۃ النبی، علامہ شبلی ۱۔۲۴۵، ابن ہشام ۱۔۵۰۴ تا ۵۰۷

ایک کو میں طلاق دیدیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا۔[1]

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے، روپے پیسے تو اس زمانے میں تھے نہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دئے جائیں، مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اسی وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے انکار کیا، انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا، مہاجرین نے اس کو منظور کیا،[2] یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا، کوئی انصاری مرتا تو اس کی جائداد اور مال مہاجرین کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے، یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا أُولٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾[3]

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔''

---

[1] و [2] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب اخاء النبی ﷺ

[3] (انفال، آیۃ ۷۲)

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری:

﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ ﴾ (انفال آیة ۷۵)

''ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''[۱]

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ سعدؓ بن الربیع نے جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا ''خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے'' انہوں نے قینقاع کا جو مشہور بازار تھا جا کر راستہ بتا دیا، انہوں نے کچھ گھی اور کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی،[۲] رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے، ان کا اسبابِ تجارت سات سات سو اونٹوں پر لدا کرتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی،[۳] بعض صحابہؓ نے دکانیں کھول لیں، حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سُنُح میں تھا، جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے[۴] حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے،

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ. الخ.''

[۲] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب اخاء النبی ﷺ

[۳] اسد الغابة ۳۔ ۳۱۴، ۳۱۵

[۴] طبقات ابن سعد، ۲۔ ۱۲۰

حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہوگئے تھے اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہونچ گئی تھی،[1] اور صحابہ کرامؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کردی تھی، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر لوگوں نے جب کثرتِ روایت کی بناپر اعتراض کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انہوں نے کہا ''اس میں میرا کیا قصور ہے، اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتا تھا۔[2]

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کردئے، صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے ''آنحضرت ﷺ جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس ہوئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت میں تھے واپس کردئے'' مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دیدیں اور جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دیدئے،[3] انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلاکر فرمایا کہ ''میں اس کو انصار میں تقسیم کردینا چاہتا ہوں'' انہوں نے عرض کی کہ ''پہلے ہمارے بھائی مہاجروں کو اتنی ہی زمینیں عنایت فرمادیجئے تب ہم لینا منظور کریں گے۔''[4]

---

[1] مسند احمد میں ان واقعات کا ذکر موجود ہے۔ [2] صحیح البخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب رد المہاجرین الی الانصار منائحہم

[4] صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قول النبی ﷺ ''اصبرونی حتی تلقونی علی الحوض''

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ ﷺ نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ "صرف پانی" آپ ﷺ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "کوئی ہے؟ جو اِن کو آج مہمان بنائے" ابوطلحہؓ نے عرض کی "میں حاضر ہوں" غرض وہ اپنے گھر لے گئے لیکن وہاں بھی برکت تھی، بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے ،انہوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھادو، اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھ دو، تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے، میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اوراس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت اتری ہے:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

"اور گوان کو تنگی ہو، تاہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔"[1]

صفّہ نبویؐ

ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا،[2] صحابہ کرامؓ میں سے اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت

---

[1] صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قول اللہ عزوجل "وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" فتح الباری ۷۔۱۱۹

[2] وفاء الوفاء ۱۔۳۲۱

اورآنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر نذر کردی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے، ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی، یہ لوگ دن میں بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر پڑ رہتے۔ [۱]

حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں ساتھ مہیا نہ ہوسکیں، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی [۲] اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے، کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اٹھا کر کھا لیتے کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا، اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آ کر نماز میں شریک ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں [۳] آنحضرت ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو اُن کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے [۴] اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت ﷺ ان کو

---

۱ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید

۲ صحیح البخاری ۱۔۱۱۴، حلیۃ الاولیاء ۱۔۳۴۱

۳ سنن ترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی ﷺ

۴ صحیح البخاری، کتاب الرقائق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ

مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک، دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے [1] حضرت سعد بن عبادہؓ نہایت فیاض اور دولت مند تھے، وہ کبھی کبھی اسّی اسّی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے، آنحضرت ﷺ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکّی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو، تو فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے مریں۔ [2] راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے، ان کے لئے ایک معلم مقرر تھا اس کے پاس جاکر پڑھتے اسی بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے، دعوتِ اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوۂ معونہ میں انہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ [3]

غزوۂ بدر

قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں عبداللّٰہ بن اُبی کو انہوں نے خط لکھ بھیجا تھا کہ یا محمد (ﷺ) کو قتل کر دو، یا ہم آکر تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ [4] قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المواقیت، باب مع الضیف والاھل السمر

[2] سنن بیہقی ۹۔۳۰۴، مسند احمد ۱۔ ۷۹، ۱۰۶

[3] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید، صحیح بخاری میں بھی اس کا ذکر ہے۔

[4] سنن ابی داؤد ۲۔ ۶۷، باب خبر النضیر

طرف گشت لگاتی رہتی تھیں، کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آکر غارت گری کرتا تھا، حملہ کے لئے سب سے ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا، اس لئے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا تو ملّہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دیدی، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبارِ تجارت میں بہت کم حصہ لیتی تھیں اُن کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا، قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا جس نے قریش کی آتشِ غضب کو اور بھی بھڑکا دیا، اسی اثنا میں یہ خبر ملّہ معظّمہ میں پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ لوٹنے کو آرہے ہیں، قریش کے غیظ وغضب کا بادل بڑے زور وشور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔[۱]

آنحضرت ﷺ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔[۲] حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں، لیکن رسول اللہ ﷺ انصار کی طرف دیکھتے تھے

---

[۱] سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی ج۔۱۔ ۳۱۵، کرز فہری کا واقعہ طبقات ابن سعد ۲۔۹ میں اور حضرمی کا واقعہ سنن بیہقی ۹۔۱۱ میں موجود ہے۔

[۲] یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ سے نکلنے کے بعد کا ہے، مدینہ منورہ سے آپ ﷺ قافلہ ابوسفیان کے ارادہ سے چلے تھے، جبکہ احادیث صحیحہ میں صراحت ہے کہ مدینہ منورہ سے خروج کے بعد اچانک یہ بات سامنے آئی کہ قریش کا لشکر جرار قافلہ کے دفاع کے لئے قریب پہنچ چکا ہے، اس وقت آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔۔۔۔۔۔یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ قافلہ ابوسفیان کے ارادہ سے آپ کے نکلنے کا مقصد اس خطرہ کو دور کرنا تھا جو مدینہ پر حملہ کی شکل میں منڈلا رہا تھا، تاریخ میں صراحت ہے کہ قریش نے اس قافلہ کو اصلاً سامانِ جنگ تیار کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔

انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئیں، آپ ﷺ نے دوبارہ مشورہ فرمایا، تیسری بار انصار سمجھے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے جواب کے منتظر ہیں، سعد بن معاذؓ نے عرض کیا شاید حضور ﷺ نے یہ سمجھا ہے کہ انصار اپنے شہر سے نکل کر حضور ﷺ کی اعانت کرنا اپنا فرض نہیں سمجھتے ہیں، انصار کی طرف سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہم تو ہر حالت میں حضور ﷺ کے ساتھ ہیں، کسی سے معاہدہ فرمایئے کسی سے معاہدہ کو نامنظور کیجئے، ہمارے مال وزر سے جس قدر منشائے مبارک ہو لیجئے، ہم کو جو مرضی مبارک ہو عطا کیجئے، مال کا جو حصہ حضور ﷺ ہم سے لیں گے ہمیں وہ زیادہ پسند ہوگا اس مال سے جو حضور ﷺ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے، ہم کو جو حکم حضور ﷺ دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے، اگر حضور ﷺ غماد کے چشمہ تک چلیں گے تو ہم ساتھ ہوں گے اگر حضور ﷺ ہم کو سمندر میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو حضور ﷺ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے۔[1]

حضرت مقدادؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم وہ نہیں کہ قوم موسیٰ کی طرح فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ" کہہ دیں، ہم تو حضور ﷺ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے قتال کے لئے حاضر ہیں، ان کی اس تقریر سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ چمک اٹھا۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۶۲۵، فتح الباری ۷۔۲۸۷،۲۸۸، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ بدر

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قولہ تعالیٰ "إِذْ تَسْتَغِيثُوْنَ رَبَّكُمْ، الخ۔"

بدر کی طرف کوچ اور لشکرِ اسلام و لشکرِ کفار میں زبردست تفاوت

۱۲؍رمضان ۲ھ کو آپ ﷺ تقریباً تین سَو جانثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے، ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے واپس کر دئے گئے کہ ایسے پُرخطر موقعہ پر بچوں کا کام نہیں، عمیر بن وقاصؓ ایک کمسن بچہ تھے جب ان سے واپسی کو کہا گیا تو وہ رو پڑے، آخر آنحضرت ﷺ نے اجازت دیدی، عمیر کے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ نے کمسن سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی، اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳؍تھی، جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔[۱] لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے، ایک حضرت زبیرؓ کی سواری میں تھا اور ایک مقدادؓ بن الاسود کی، اونٹ کل ستر تھے، ایک ایک پر دودو، تین تین آدمی باری باری سے بیٹھتے تھے، خود رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ اور مرثد غنوی ایک اونٹ پر باری باری بیٹھتے تھے[۲] مکہ معظّمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے، ہزار آدمی کی جمعیت تھی سوسو سواروں کا رسالہ تھا، رؤسائے قریش سب شریک تھے، ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا اس لئے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا، رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس، عتبہ بن ربیعہ حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، امیہ، وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے

---

[۱] تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسد الغابۃ میں مذکور ہے۔

[۲] سیرۃ ابن ہشام ۱۔ ۶۱۳، زاد المعاد ۲۔ ۱۷۱، مسند احمد اور مستدرک حاکم کی صحیح روایات میں مرثد غنوی کے بجائے ابولبابہ کا ذکر ہے۔

تھے، عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔[۱]

قریش کو بدر کے قریب پہونچ کر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداران نے کہا "اب لڑنا ضروری نہیں"، لیکن ابوجہل نے نہ مانا، زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی۔[۲]

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کرلیا تھا، بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا، زمین ایسی ریتیلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے، حُباب بن مُنذِر نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رُو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں ہے، حبابؓ نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اور آس پاس کے کنویں بیکار کردیئے جائیں، آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا، تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینہ برس گیا، جس سے گرد جم گئی اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنالئے گئے، کہ وضو اور غسل کے کام آئیں، اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے ﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ﴾ "اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے" پانی پر اگرچہ

۱؎ سیرۃ ابن ہشام، قصۃ غزوۃ بدر، البدایۃ والنہایۃ ۳۔۳۶۰، مسند احمد ۲۔۱۹۳ میں لشکر کفار کی تعداد کا ذکر ہے

۲؎ مستدرک حاکم ۳۔۴۲۶، سیرۃ ابن ہشام ۱۔ ۶۱۹

قبضہ کرلیا گیا لیکن ساقیٔ کوثر کا فیض عام تھا اس لئے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔[1]

یہ رات کا وقت تھا تمام صحابہؓ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام فرمایا لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبویؐ) جو صبح تک بیدار اور مصروفِ دعا رہی، صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی، بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔[2]

جنگ کی تیاری

قریش جنگ کے لئے بیتاب تھے، تاہم کچھ نیک دل بھی تھے جنکے دل خونریزی سے لرزتے تھے، ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردارِ فوج عتبہ سے جا کر کہا "آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے، عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے وہ آپ کا حلیف تھا، آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے" عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اس نے نہایت خوشی سے منظور کرلیا، لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق رائے ضروری تھا، حکیم عتبہ کا پیغام لیکر گئے، ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا، عتبہ کا پیغام سن کر بولا "ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا" عتبہ کے فرزند ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے اور اس معرکے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۶۲۰، ۶۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۔۳۵، امام حاکم نے مستدرک ۳۔۳۲۶ میں حضرت حبابؓ کی رائے کا تذکرہ فرمایا ہے، لیکن امام ذہبی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔

[2] زاد المعاد ۳۔۱۷۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۔ ۳۹، السنن الکبری للنسائی، کتاب الصلوۃ

آئے تھے اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہؔ اس لئے لڑائی سے جی چراتے ہیں کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

ابوجہل نے حضرمیؔ کے بھائی عامر کو بلا کر کہا دیکھتے ہو، تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آ کر نکلا جاتا ہے، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑا کر "وَاعَمرَاہ وَاعَمرَاہ" کا نعرہ مارنا شروع کیا، اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگادی۔

عتبہؔ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا اور کہا کہ میدانِ جنگ بتادیگا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے؟ یہ کہہ کر مغفر مانگا، لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا، مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجے۔ [۱]

چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپ ﷺ اس میں تشریف رکھیں، سعد بن معاذؓ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے۔ [۲]

اگرچہ بارگاہِ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا، عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے، ملائکہ کی فوجیں ہم رکاب تھیں، تاہم عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپ

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۶۲۲، ۶۲۳، زاد المعاد ۳۔ ۶۷۹

[۲] زاد المعاد ۳۔ ۶۲۰

ﷺ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں، مہاجرینؓ، اوسؓ اور خزرجؓ کے تین دستے قائم کئے، مہاجرین کا علم مصعبؓ بن عمیرؓ کو عنایت فرمایا، خزرجؓ کے علمبردار حُباب بن منذرؓ اور اوسؓ کے سعد بن معاذؓ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہی آپ ﷺ نے صف آرائی شروع کی، دستِ مبارک میں ایک تیر تھا اس کے اشارے سے صفیں قائم کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے، لڑائی میں شور و غل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔[۱]

اس موقع پر جب کہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی، اور مسلمانوں کی طرف ایک آدمی بھی بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی، آنحضرت ﷺ ہمہ تن وفا تھے، ابوحذیفہ بن الیمان اور ابوحُسیل دو صحابی مکہ سے آرہے تھے راہ میں کفار نے روکا کہ محمد (ﷺ) کی مدد کو جا رہے ہو، انہوں نے انکار کیا اور عدمِ شرکت کا وعدہ کیا، آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی، فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔[۲]

اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

---

[۱] سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی ۱-۳۲۰

[۲] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب الوفاء بالعہد

وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ﴾

''جولوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے عبرت کی نشانیاں

ہیں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔''

یہ عجیب منظر تھا اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی، صحیح مسلم میں ہے ''کہ آنحضرت ﷺ پر نہایت خضوع کی حالت طاری تھی، دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے ''خدایا! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے آج پورا کر'' محویت اور خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی، کبھی سجدے میں گرتے تھے اور فرماتے تھے'' کہ خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر روئے زمین پر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ ہوگا۔''

اس بیقراری پر بندگانِ خاص کو رقت آ گئی، حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی ''حضور خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا۔''[1] آخر روحانی تسکین کے ساتھ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ (قمر) ''فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے'' پڑھتے ہوئے لبِ مبارک مژدۂ فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے۔[2]

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آ گئیں تاہم آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آ جائیں تو تیر سے روکو۔

آپ ﷺ نے صبر و استقامت کی فضیلت، اس کی بنا پر اللہ کی مدد، فتح

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قولہ تعالیٰ ''اذ تستغیثون ربکم''

وظفر اور آخرت کے ثواب کا ذکر فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ کے راستے میں شہید ہوگا اس کیلئے اللہ نے جنت واجب کردی، یہ سن کر عمیر بن الحمامؓ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ یارسولؐ اللہ! ایسی جنت جس کی چوڑائی زمین وآسمان کے برابر ہو؟ فرمایا کہ ''ہاں'' کہا کہ ایسی بات ہے یارسولؐ اللہ؟ فرمایا ایسی بات کیوں کہتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ! یہ میں صرف اس شوق میں کہہ رہا ہوں کہ شاید مجھے بھی وہ نصیب ہو، فرمایا ''تمہیں وہ نصیب ہوگی'' انہوں نے اپنی ڈھال میں سے کھجور نکال کر کھانا شروع کئے پھر کہنے لگے اگر میں ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کروں تو یہ بڑی لمبی زندگی ہوئی یہ کہہ کر کھجور پھینکے اور آگے بڑھ کر شہادت سے سرخ رو ہوئے۔ [۱]

یہ معرکہ ایثار و جان بازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا، دونوں فوجیں سامنے آئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جواب تک کافر تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر نکلے، [۲] عتبہ میدان میں آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے، حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ [۳]

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید

[۲] سیرۃ ابن ہشام ۱۔۲۳۸

[۳] سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی ۱۔۳۲۲

آغاز جنگ

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعوی تھا آگے بڑھا، مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔[1] عتبہ جو سردار لشکر تھا، ابو جہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا، سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں آیا اور مبارزطلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ میں جاتے تھے، عتبہ کے سینے پر شتر مرغ کے پر تھے، حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے نام ونسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہیں، پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت ابو عبیدہؓ میدان میں آئے، چونکہ ان لوگوں کے چہروں پر نقاب تھی، عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ سب نے نام ونسب بتائے، عتبہ نے کہا ''ہاں اب ہمارا جوڑ ہے۔''

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا، اور دونوں مارے گئے، لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو زخمی کر دیا، حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور ابو عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول ﷺ کی خدمت میں لائے، حضرت ابو عبیدہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں دولت

---

[1] سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی ا۔ ۳۲۲

شہادت سے محروم رہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں تم نے شہادت پائی''
ابوعبیدہؓ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق
میں ہوں۔[1]

وَنُسْلِمهُ حَتیٰ نُصَرَعَ حواله وَنَذْهَلُ عن أَبْنَائِنَاوَ الْحَلَائِلِ

''ہم محمد ﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے
جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں، اور ہم محمد ﷺ کے لئے
اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جاتے ہیں۔''

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا اور پکار کر کہا کہ ''میں ابو کرش ہوں'' حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں، تاک کر آنکھ میں برچھی ماری وہ زمین پر گرا اور مر گیا، برچھی اس طرح پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونوں سرے خم ہو گئے، یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت ﷺ نے مانگ لی، پھر چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی۔[2] پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے، شانہ میں جو زخم

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب المبارزۃ من حدیث علی، مسند احمد ۱۔ ۱۷ تفصیل سے زرقانی نے المواہب میں یہ واقعہ بیان کیا ہے، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ بدر میں یہ مذکور ہے کہ ''ھذان خصمان اختصموا فی ربھم'' اسی سلسلہ میں نازل ہوئی۔

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعد شھود الملائکۃ بدراً

تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی، چنانچہ ان کے بیٹے (عُروہ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے، جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے گر گئی تھی، چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروہ سے کہا تم زبیرؓ کی تلوار پہچان لوگے، انہوں نے کہا ہاں! عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے، عبدالملک نے تصدیق کی اور یہ مصرعہ پڑھا، ع

"بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ" [1]

عبدالملک نے تلوار عروہ کو دیدی، انہوں نے اس کی قیمت لگوائی تو تین ہزار ٹھہری، اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا۔ [2] اب عام حملہ شروع ہو گیا، مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے، لیکن ادھر سرورِ عالم ﷺ سربسجدہ، صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈ رہا تھا۔ [3]

نامور سردارانِ کفار کا قتل

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیٔ اسلام کا عام چرچا تھا اس بنا پر انصار میں معوذ اور مُعاذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آجائے گا یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں

---

[1] یہ نابغہ ذبیانی کے شعر کا ایک مصرعہ ہے، جس کا پہلا مصرعہ "ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم" ہے۔

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی بعد باب قتل ابی جہل

[3] سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی ۱۔۳۲۴

صف میں تھا کہ دفعۃً مجھ کو دائیں بائیں دو نوجوان نظر آئے، ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا برادر زادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا، یا اسے قتل کروں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا، میں یہ جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کیں، میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے، بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے، اور ابوجہل خاک پر تھا، یہ دونوں جوان عفراءؓ کے بیٹے تھے (معوذ اور مُعاذ)[1] ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ نے عقب سے آکر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی رہا، معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، وہ بچ کر نکل گیا، معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا اور اب وہ آزاد تھے[2] آنحضرت ﷺ نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا ''کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں'' ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دئے تھے، ان میں ابوالبختریؓ بھی تھا، مُجذَّر انصاری کی نظر جب اس پر پڑی تو مجذرؓ نے کہا چونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں، ابوالبختریؓ کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا، ابوالبختری نے کہا اس کو بھی،

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الخمس، باب من لم یخمس الاسلاب، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب استحقاق القاتل سلب القتیل،

[2] سیرۃ ابن ہشام ۱۔ ۶۳۵، مسند احمد میں تفصیل سے اس کا تذکرہ ہے ۱۔۴۴۴

مجذ ر نے کہا نہیں، ابوالبختر ی نے کہا تو میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختر ی نے اپنی جان بچانے کے لئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، یہ کہہ کر ابوالبختر ی یہ رجز پڑھتا ہوا مجذ ر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

لَنْ يَتْرُكَ ابْنُ حُرَّةٍ زَمِيلَهٗ حَتّٰى يَمُوْتَ أَوْ يَرٰى سَبِيلَهٗ

"شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک مر نہ جائے یا موت کا راستہ نہ دیکھ لے۔"[1]

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا اور فوج میں بیدلی چھا گئی۔

آنحضرت ﷺ کا شدید دشمن اُمیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس سے کسی زمانے میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہونگے، بدر میں اس دشمنِ خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا، لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے، حضرت عبدالرحمن نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے اس کو لے کر پہاڑ پر چلے گئے، اتفاق یہ کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا، انصار کو خبر کر دی، دفعۃً لوگ ٹوٹ پڑے، انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا، لوگوں نے اس کو قتل کر دیا لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے، انہوں نے امیہ سے کہا تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا تو یہ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں، لیکن لوگوں نے ان

---

[1] اسد الغابۃ ۴۔۲۸۸، البدایۃ والنہایۃ ۳۔۲۸۵

کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا۔[۱] ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبد بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے تو ابوجہل ہے؟ اس نے کہا ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے، عبداللہ بن مسعودؓ اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں پر ڈال دیا۔[۲]

فتح مبین

خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ شخصوں نے شہادت پائی، جس میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے۔[۳] لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی، رؤسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری،

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب الوکالہ، باب اذا وکل المسلم حربیا

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل۔

[۳] سیرۃ ابن کثیر ۲۔۴۶۳

زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے، تقریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔[1] اسیران جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن حارث رہا کر دیئے گئے، باقی گرفتار ہو کر مدینہ آئے، ان میں حضرت عباس، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابوالعاص (آنحضرت ﷺ کے داماد) بھی تھے۔[2]

لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی آپ ﷺ اس کو وہیں دفن کرا دیتے تھے، لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا، ایک وسیع کنواں تھا تمام لاشیں آپ نے اس میں ڈلوا دیں،[3] لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی اس لئے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔[4]

اسیرانِ جنگ کے ساتھ سلوک

اسیرانِ جنگ دو دو چار چار صحابہ کرام کو تقسیم کر دئے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں، صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے، جو

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ بدر

[2] تاریخ طبری ۳۔۳۸، البدایۃ والنہایۃ ۳۔۲۹۷

[3] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل

[4] تاریخ طبری ۲۔۳۷

حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دیدیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس کر دیتے، یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[1]

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ! اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑ دوں گا (مثلہ) تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کے جزا میں میرے اعضاء بھی بگاڑیگا۔[2] اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوائے، لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا تھا، عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) نے جو حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا اپنا کرتا منگوا کر دیا، صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کے کفن کے لئے جو اپنا کرتا عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔[3]

اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ناداری

---

[1] تاریخ طبری ۲۔ ۳۹، طبقات ابن سعد ۲۔۱۴

[2] سیرۃ النبی ۱۔۳۳۰ بحوالہ تاریخ طبری

[3] صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الکسوۃ للاساری

کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیۓ گئے ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیۓ جائیں گے۔[۱] حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔[۲]

انصار نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت عباس ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔[۳] فدیہ کی عام مقدار چار ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا، حضرت عباس دولت مند تھے اس لئے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی لیکن ان کو کیا معلوم کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی اس میں قریب وبعید، عزیز و بیگانہ، عام وخاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے، لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا تقاضہ یہ تھا کہ حضرت عباس کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، لوگوں نے ان کی گرہ کھولی تو آپ نے آرام فرمایا۔[۴]

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص ؓ بھی اسیران جنگ میں آئے

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ۱۔۲۴۷

[۲] سیرۃ النبی، بحوالہ طبقات ابن سعد

[۳] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب شہود الملائکۃ بدراً   [۴] البدایۃ والنہایۃ ۲۔۳۰۰

تھے، ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا، حضرت زینبؓ نے وہی ہار گلے سے اتار کر بھیج دیا، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو ۲۵/ برس پہلے کا محبت آمیز واقعہ یاد آ گیا، آپ ﷺ بے اختیار رو پڑے، اور صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو، سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور ہار واپس کر دیا۔

ابو العاصؓ رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیا، ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سر و سامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے، واپسی میں مسلمان دستوں نے ان کو مع تمام مال و اسباب گرفتار کر لیا، اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا، یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، انہوں نے پناہ دی، آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا اسباب واپس کر دو، پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور ایک ایک دھاگہ تک سپاہیوں نے لا لا کر واپس کر دیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابو العاص مکہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے، اور یہ کہہ دیا کہ میں اس لئے آ کر حساب سمجھا کر واپس جا رہا ہوں تا کہ یہ نہ کہو کہ ابو العاص ہمارا روپیہ کھا گیا اور تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔[1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۔ ۶۵۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۔ ۱۵۴ تا ۱۵۷، تاریخ طبری ۳۔ ۴۳، ۴۴

حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

عمیر بن وہب قریش میں اسلام کا ایک سخت دشمن تھا وہ اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے، صفوان نے کہا ''خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہیں'' عمیر نے کہا سچ کہتے ہو اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں سوار ہو کر جاتا اور محمد (ﷺ) کو قتل کر آتا، میرا بیٹا وہاں قید ہے۔

صفوان نے کہا تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو ان کاموں کا میں ذمہ دار ہوں، عمیر نے گھر آ کر تلوار زہر میں بجھائی اور مدینہ پہنچا، حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لئے گلا دبائے ہوئے اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے، آپ ﷺ نے فرمایا عمر! چھوڑو، عمیر! قریب آ جاؤ، پوچھا کس ارادے سے آئے ہو؟ جواب دیا بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں، فرمایا پھر تلوار کیوں حمائل ہے؟ عمیر نے کہا آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں، فرمایا کیوں نہیں، تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ عمیر یہ بات سن کر سناٹے میں آ گیا، بے اختیار بولا، محمد ﷺ بیشک تم پیغمبر ہو، بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی، قریش جو آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انھوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔

نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اپنے بھائی کو دین سکھاؤ قرآن یاد کراؤ

اور اس کے فرزند کو آزاد کر دو، عمیر نے عرض کیا اے رسول خدا ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں مکہ ہی واپس جاؤں اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دوں میرے دل میں آتا ہے کہ اب میں بت پرستوں کو اسی طرح ستایا کروں جس طرح مسلمانوں کو ستاتا رہا ہوں، عمیر کے مدینہ جانے کے بعد صفوان کا یہ حال تھا کہ سردارانِ قریش سے کہا کرتا تھا دیکھو چند روز میں کیا گل کھلنے والا ہے کہ بدر کا صدمہ بھول جاؤ گے، صفوان کو خبر لگی کی عمیر مسلمان ہو گیا تو اسے سخت صدمہ ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک زندہ ہوں عمیر سے بات نہ کروں گا، نہ اسے کوئی فائدہ پہنچنے دوں گا، عمیر مکہ میں آیا وہ اسلام کی منادی کیا کرتا تھا اور اکثر لوگ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے۔[۱]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد

حضرت فاطمہؓ جو حضور کی سب سے کم سن صاحبزادی تھیں، اب ان کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھی اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے، حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہیں، یہ ایک طرح کا اظہار تھا، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمھارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا "وہ حطیہ کی زرہ کیا ہوئی" (بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "بس وہ کافی ہے۔"

---

[۱] دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۔ ۱۴۷ تا ۱۴۹، سیرۃ ابن ہشام ۱۔ ۶۶۱

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپے زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی، حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا، حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ کے ہی پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی الگ گھر لیں، حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کی نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ انہی سے اور مکان دلوا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہاں تک، اب ان سے کہتے کہتے شرم آتی ہے۔ حارثہؓ نے سنا تو دوڑے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے، خدا کی قسم جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے، غرض انھوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہ کونین نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جالیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے ایک برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینے اور بازوؤں پر

چھڑکا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں، ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمھارا نکاح کیا ہے۔[۱]

جاہلی حمیّت اور جذبۂ انتقام بدر

عرب میں صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سیکڑوں برس تک ختم نہیں ہوسکتا تھا، طرفین میں سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض مؤکد جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اس کی ہستی نہیں قائم رہ سکتی تھی، بدر میں قریش کے ستّر آدمی مارے گئے جن میں اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج وافسر تھے اس بنا پر تمام مکہ جوش انتقام سے لبریز تھا۔[۲]

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے میں نفع کثیر کے ساتھ شام کو واپس آرہا تھا اس کا رأس المال حصہ داروں کو تقسیم کردیا گیا تھا لیکن زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔

قریش کو کشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کی ادائیگی کا خیال آیا، چند سردارانِ قریش جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، ان لوگوں کو جن کے عزیز واقارب جنگ بدر میں قتل ہوچکے تھے ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے

---

[۱] سنن ابی داؤد کتاب النکاح، باب الرجل یدخل بامرأتہ، تفصیلات دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۔۱۶۰، الاصابۃ اور طبقات ابن سعد میں موجود ہیں، سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی ۱۔۳۶۶

[۲] سیرۃ النبی ۱۔۳۶۹

اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا اب انتقام کا وقت ہے ہم چاہتے ہیں کہ مال تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے وہ اس کام میں صرف کیا جائے، یہ ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی، لیکن اب قریش کو مسلمانوں کے قوت وزور کا اندازہ ہو چکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے اس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے، عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کو گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا، قریش میں دو شاعر شاعری میں مشہور تھے، عمرو جمحی اور مسافع۔ عمرو جمحی غزوہ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتضائے رحم سے اس کو رہا کر دیا تھا، قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے، لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوشِ جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھیں، جس لڑائی میں خاتونیں ساتھ ہوتی تھیں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی، بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں اور انھوں نے منتیں مانی تھیں کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گی، غرض فوجیں تیار ہوئیں تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں۔[1]

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا، جبیر بن مطعم کا چچا بھی حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ

---

[1] تاریخ طبری ۳۔ ۵۸، ۵۹، سیرہ ابن ہشام ۲۔ ۶۰، ۶۱

اندازی میں کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔[1]

حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا گو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی میں مقیم تھے انھوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے اور قاصد کو تاکید کی کہ تین دن رات میں مدینہ پہنچ جائے، آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے پانچویں شوال ۳ھ کو دو خبر رساں جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے، انھوں نے آ کر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا، اور مدینہ کی چراگاہ (عُرَیض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔[2]

آپ ﷺ نے حباب بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں، انھوں نے آ کر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھائے گئے، حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔[3]

صبح کو آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے، عبداللہ بن ابی بن سلول جواب تک کبھی شریک

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزۃ بن عبد المطلب

[2] و [3] سیرۃ حلبیہ ۲۔ ۴۹۰

مشورہ نہیں کیا گیا تھا اس نے بھی یہی رائے دی لیکن ان نوخیز صحابہ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے، آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے، اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خلافِ مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں، ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔[۱]

اُحد کے دامن میں

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکلے، عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ "محمد ﷺ نے میری رائے نہ مانی" آنحضرت ﷺ کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے۔[۲] ان میں ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور جو لوگ کمسن تھے واپس کر دیئے گئے، ان میں حضرت زیدؓ بن ثابتؓ، براء بن عازبؓ، ابو سعید خدریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اور عرابہ اوسیؓ بھی تھے جاں نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب رافع بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے، چنانچہ

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول اللہ تعالیٰ "وأمرھم شوری بینھم" مسند احمد ۱۔ ۳۵۱، سنن دارمی ۲۔۱۲۹ [۲] زاد المعاد ۳۔ ۱۹۴، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۶۴

ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے لئے گئے، سمرہؓ ایک نوجوان جوان کے ہم سن تھے انھوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافعؓ کو لڑائی میں پچھاڑ لیتا ہوں اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہئے دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرہ نے رافع کو زمین پر دے مارا، اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔ [1]

آنحضرت ﷺ نے احد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم عنایت کیا، زبیر بن العوامؓ رسالہ کے افسر مقرر ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، [2] پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں اس لئے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ معین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی میں فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں، عبداللہ بن جبیر ان تیراندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔ [3]

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انھوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی، میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیراندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا، دوسو گھوڑے خریدے تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں [4] سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتون قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن میں

---

[1] تاریخ طبری ۳۔ ۶۱، سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۳۰، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۶۶

[2] تاریخ طبری ۳۔ ۶۱، ۶۲ [3] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد

[4] تاریخ طبری ۳۔ ۶۲، ۶۳

کشتگان بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے، ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں، اشعار یہ تھے ع

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقِ   نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقِ
اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ   اَوْتُدْبِرُوْا نُفَارِقْ

''ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں، اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو تم سے گلے ملیں گے اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔'' [1]

لڑائی کا آغاز

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینہ کا ایک مقبول عام شخص تھا ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا، اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا، چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اس کو دیکھیں گے تو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے، میدان میں آکر پکارا ''مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں'' انصار نے کہا ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں خدا تیری آرزو بر نہ لائے۔ [2]

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا، کیوں مسلمانوں میں کوئی

---

[1] سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۳۱، سیرۃ ابن ہشام ص ۲۷، ۲۸، ان اشعار کا ذکر مستدرک میں حاکم نے کیا ہے اور اس حدیث کو امام ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے ۳۔ ۲۵۶ [2] مسند احمد ۴۔ ۴۶، مستدرک حاکم ۲۔ ۱۰۷، ۱۰۸

ہے؟ جو مجھ کو جلد دوزخ میں پہونچائے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے،" علی مرتضیٰؓ نے صف سے نکل کر کہا "میں ہوں" یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، [۱] طلحہ کے بعد اس کے بیٹے عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہاتھ میں لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا ع

اِنَّ عَلَىٰ أَهْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا أَنْ تَخْضِبَ الصَّعْدَ أَوْ تَنْدَقَّا

"نیزہ بردار کا فرض ہے کہ وہ نیزہ خون میں رنگ دے یا ٹکرا کر ٹوٹ جائے"

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی، ساتھ ان کی زبان سے نکلا کہ "میں ساقی حُجاج کا بیٹا ہوں" اب عام جنگ شروع ہو گئی [۲] حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابو دُجانہؓ فوجوں کے دَل میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں [۳] ابو دجانہ عرب کے مشہور پہلوان تھے، آنحضرت ﷺ نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرتا ہے" اس سعادت کے لئے دفعتہً بہت سے ہاتھ بڑھے، لیکن یہ فخر ابو دجانہؓ کے نصیب میں تھا، اس غیر متوقع عزت نے ان کو مغرور کر دیا، سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے" ابو دجانہؓ فوجوں کو چیرتے، لاشوں پر لاشے گراتے، بڑھتے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ ہند سامنے آ گئی اس کے سر پر تلوار

---

[۱] تاریخ طبری ۳۔۶۳

[۲] سیرۃ ابن کثیر ۳۔۳۴، سیرۃ ابن ہشام ۲۔۴۷

[۳] تاریخ طبری ۳۔۶۴

رکھ کر اٹھالی کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار اس قابل نہیں ہے کہ عورت پر آزمائی جائے۔[۱] حضرت حمزہؓ دودستی تلوار مارتے تھے اور جس کی طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہوجاتی تھیں، اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آگیا پکارے کہ ''او ختانۃ النساء کے بچے! کہاں جاتا ہے؟'' یہ کہہ کر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا، وحشی جو ایک غلام تھا اور جس سے جبیر بن مطعم اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا، حضرت حمزہؓ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہوگیا۔[۲] حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔[۳]

مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر قتل ہوجاتے تھے تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا، ایک کے گرنے سے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لے لیتا تھا ایک شخص نے جس کا نام صوابؔ تھا جب علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کی دونوں ہاتھ کٹ کر گر پڑے لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا، علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا اور علم کو سینہ سے دبالیا،

---

[۱] مستدرک حاکم ۳-۲۵۶، ذہبی نے توثیق فرمائی ہے، تاریخ طبری ۳-۱۳، سیرۃ ابن کثیر ۳-۳۰، ۳۱ اس واقعہ کے بعض حصے امام مسلم اور امام احمد نے بھی نقل فرمائے ہیں۔

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزۃ بن عبد المطلب [۳] سیرۃ ابن کثیر ۳-۳۴

اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ ''میں نے اپنا فرض ادا کر دیا'' علم دیر تک پڑا رہا، آخر ایک بہادر خاتون (عمرہ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا، یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے۔[1]

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے صاحبزادے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے انھوں نے آنحضرت ﷺ سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی، لیکن رحمت عالم نے یہ گوارانہ کیا کہ بیٹا اپنے باپ پر تلوار اٹھائے، حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے، دفعتۃً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا اور ان کو شہید کر دیا، تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا۔[2] بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں، بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا، لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے، عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن وہ نہ رک سکے۔[3] تیراندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا عبداللہ بن جبیر چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہو گئے، اب راستہ صاف تھا، خالد نے سواروں

---

[1] سیرۃ ابن کثیر ۳۔۳۳، طبری ۳۔۶۵، سیرۃ ابن ہشام ۲۔۷۸

[2] مستدرک حاکم ۳۔۲۲۵، طبری ۳۔ ۶۹

[3] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد

کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا، لوگ لوٹنے میں مصروف تھے، مڑکر دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں، بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ [۱] مصعب بن عمیر جو آنحضرت ﷺ سے صورت میں مشابہ تھے، ابن قمیہ نے ان کو شہید کردیا۔ [۲] مشرکین کا اتنے زور کا ریلہ آیا کہ اکثر صحابہؓ کے قدم اکھڑ گئے اور دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے، آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو زخمی کردیا، مغفر کی دوکڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کررہ گئیں اور داہنی طرف کا نیچے کا دانت شہید ہوگیا۔ [۳] چاروں طرف تلواریں اور تیر برس رہے تھے، آپ ﷺ اپنے پہلو پر ایک گڑھے میں گر گئے، حضرت علیؓ نے ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہؓ نے گود میں اٹھالیا۔ [۴]

اسی بدحواسی اور پریشانی میں خبر اڑ گئی کہ آپ ﷺ شہید ہوگئے، اس اضطراب میں اکثروں نے ہمت ہار دی اور جو جہاں تھا وہیں کا وہیں رہ گیا۔ [۵] حضرت انسؓ بن نضر نے چند مسلمانوں کو دیکھا کہ ہتھیار پھینک دئے ہیں اور مغموم بیٹھے ہیں، پوچھا! بیٹھے کیا کررہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ حضور ﷺ شہید ہوگئے، بولے پھر جی کر کیا کروگے؟ اٹھو! جس پر رسول ﷺ نے جان دی اس پر تم بھی جان دیدو، حضرت انسؓ نے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرکے کہا "اے

---

۱ طبری ۳۔۶۳، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۷۸

۲ طبری ۳۔ ٦٦، سیرۃ ابن ہشام ۲۔۷۳

۳ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی ﷺ من الجراح یوم اُحد

۴ زاد المعاد ۳۔۱۹۷، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۸۰ ۵ طبری ۳۔ ٦٨

اللہ ان کے فعل سے میں معذرت کرتا ہوں اور مشرکین کے عمل سے میں بری ہوں'' آگے بڑھے تو سعد بن معاذؓ ملے، انس نے کہا سعد! مجھے جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے اسی طرف سے آرہی ہے، یہ کہہ کر بڑے جوش کے ساتھ حملہ کیا اور شہید ہوگئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو جسم پر اسّی سے اوپر زخم تھے اور لاش پہچان نہیں پڑتی تھی، ان کی بہن نے انگلی کے پور کے ایک نشان سے پہچانا۔[1] ایک مہاجر کا گذر ایک انصاریؓ کے پاس ہوا، دیکھا تو وہ خون میں لوٹ پوٹ ہیں، کہا تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ شہید ہوگئے، انھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ ﷺ شہید ہوگئے تو اپنی مراد کو پہنچ گئے تم بھی اپنے دین پر جان دیدو۔[2]

محبت وجاں نثاری کے نمونے اور مسلمانوں کا دوبارہ جماؤ

جاں نثارانِ خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں رسول ﷺ کو ڈھونڈھتی تھیں، سب سے پہلے کعب بن مالکؓ کی نظر آپ ﷺ پر پڑی، چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں، کعب نے پہچان کر پکارا، ''مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔'' یہ سن کر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔[3] کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا تھا، حضرت طلحہؓ نے اپنے پر جوش حملوں سے ان کو پیچھے ہٹا دیا، تیروں کی چاروں طرف سے بارش تھی، حضرت ابو دجانہؓ نے اپنی پیٹھ کو آپ ﷺ پر جھکا کر

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ بدر

[2] سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۶۱   [3] طبری ۳۔ ۶۷، سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۶۸

ڈھال بنا دیا،[1] تیر ان کی پیٹھ پر لگ رہے تھے اور وہ بے حس و حرکت کھڑے تھے۔[2] ایک مرتبہ زور شور کا حملہ ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ان کو پیچھے ڈھکیلتا ہے اور جنت لیتا ہے، سات انصاری کھڑے تھے ایک ایک آدمی باری باری بڑھتا رہا اور آپ ﷺ یہی فرماتے رہے ساتوں اس جگہ کام آ گئے۔[3] حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا اور آنحضرت ﷺ کی جانب آنے والے تیر اپنے ہاتھ سے روکے، یہ ہاتھ ہمیشہ کے لئے شل ہو گیا تھا۔[4] بے درد رحمت عالم ﷺ پر تیر برسا رہے تھے اور آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ تھے، ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اے میرے خدا! میری قوم کو بخش دے یہ جانتے نہیں''[5] حضرت طلحہ زخم کھاتے کھاتے چور چور ہو کر گر گئے، صحابہ کرامؓ جب پلٹ کر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا طلحہؓ کی خبر لو ان کی حالت نازک ہے لوگوں نے ان کو اٹھایا تو ان پر دس سے اوپر زخم تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بھی بیس سے اوپر زخم آئے تھے[6] حضرت ابو طلحہؓ جو مشہور تیر انداز تھے انھوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ ٹوٹ کر رہ گئیں، انھوں نے سپر آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ ﷺ پر کوئی

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔ ۴۱۷ [2] طبری ۳۔ ۶۶

[3] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ اُحد

[4] صحیح البخاری، کتاب المغازی

[5] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ اُحد

[6] مستدرک حاکم ۳۔ ۳۴۸، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۸۳

وار نہ آنے پائے، آپ ﷺ کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اٹھائیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر آ کر لگ جائے، یہ میرا سینہ سامنے ہے[۱] حضرت سعد بن وقاصؓ بھی مشہور تیر انداز تھے اور اس وقت آپ ﷺ کے رکاب میں حاضر تھے آنحضرت ﷺ نے اپنا ترکش ان کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا ''تم پر میرے ماں باپ قربان'' تیر مارتے جاؤ[۲] ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''کون مجھ پر جان دیتا ہے؟'' زیاد بن سکنؓ پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑکر اپنی جانیں فدا کردیں، زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کی آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ، لوگ اٹھا کر لائے کچھ کچھ جان باقی تھی قدموں پر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دی۔[۳] ع

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا، اس نے بڑھ کر پوچھا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟'' آپ نے فرمایا ''جنت میں'' اس بشارت سے بیخود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا۔[۴] عین اس وقت جبکہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے، ام عمارہؓ آنحضرت

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ اُحد، صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ النساء مع الرجال۔

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ اُحد

[۳] طبری ۳۔۶۵،۶۶، سیرۃ ابن ہشام ۲۔۸۱ [۴] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ اُحد

ﷺ کے پاس پہونچیں اور اپنا سینہ سپر کر دیا، کفار جب آپ ﷺ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیۂ جب درّاتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہونچ گیا تو ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انھوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی۔[1]

اُبی بن خلف لوہے میں ڈوبا ہوا آپ کی طرف بڑھا، وہ یہ کہتا جاتا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو میری خیر نہیں، اس نے مکہ میں آپ ﷺ کو شہید کرنے کی قسم کھائی تھی، اس کی ایک ہنسلی، زرہ اور خود کے درمیانی سوراخ سے نظر آ رہی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس پر نیزہ سے وار کیا اور وہ گھوڑے سے گر گیا اس کے ساتھیوں نے اس کو اٹھایا، وہ بیل کی طرح چلاتا تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ گھبرانے کی کیا بات ہے، یہ تو ایک معمولی خراش ہے، اس نے کہا کہ تم کو معلوم نہیں کہ محمد (ﷺ) نے کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کریں گے، مجھے اس زخم کی اتنی تکلیف ہے کہ وہ اگر ذوالمجاز کی بستی پر تقسیم کر دی جائے تو وہ سب مر جائیں، ابی بن خلف رابغ پہنچ کر مر گیا۔[2]

صحابہ کرامؓ سب طرف سے آپ کے پاس آ کر جمع ہو گئے، خود کی ایک کڑی رخسار مبارک میں دھنس گئی تھی، حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں اس کو نکالنے چلا، ابوعبیدہؓ نے خدا کی قسم دے کر مجھ سے کہا کہ مجھے اس کا موقع دو، انھوں نے

---

[1] سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۶۷، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۸۲،۸۱

[2] طبری ۳۔ ۶۷، سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۶۹، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۸۴

دانتوں میں اس کو دبا کر اس طرح آہستہ آہستہ نکالنا شروع کیا کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہ ہو، کڑی نکل آئی اور اس کے ساتھ ابو عبیدہ کا دانت اکھڑ گیا، میں دوسری کڑی کو نکالنے کے لئے بڑھا، ابو عبیدہ نے پھر قسم دی اور اسی طرح آہستہ آہستہ نکالنا شروع کیا اور ان کا دوسرا دانت بھی اکھڑ گیا[1]۔ مالک بن سنان انصاریؓ نے رخسار مبارک کے خون کو چوس لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کلی کر دو، انھوں نے عرض کیا بخدا کبھی کلی نہ کروں گا، جب وہاں سے چلے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو جنتی دیکھنے کا شوق ہو تو انھیں دیکھ لے'' [2]

آپ ﷺ کی وفات کی خبر مدینہ پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بیتابی کے ساتھ دوڑے، جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا، حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے، جناب سیدہ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا، بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا خون فوراً تھم گیا[3] آپ ﷺ نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا لیکن ناطاقتی سے چڑھ نہیں سکے، حضرت طلحہؓ بیٹھ گئے اور اپنے کو زینہ بنا دیا،[4] نماز کا وقت ہوا تو آپ نے بیٹھے بیٹھے نماز پڑھائی۔[5]

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔ ۲۹، کتاب المغازی والسیر

[2] مستدرک حاکم ۳۔۶۵، سیرۃ ابن ہشام ۲۔۸۰

[3] صحیح البخاری کتاب المغازی باب ما اصاب النبی ﷺ من الجراح یوم احد، صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوۂ احد [4] مستدرک حاکم ۳۔۲۸، کتاب المغازی والسیر، امام ذہبی نے اس کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے۔ [5] زاد المعاد ۳۔۱۹۷، سیرۃ ابن ہشام ۷۔۸۶، ۸۷

اس جنگ میں بعض صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے (جبکہ حضور ﷺ کو بھی کئی زخم آئے تھے) عرض کیا ''کاش آپ مشرکین پر بددعا فرمائیں، نبی ﷺ نے فرمایا ﴿اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّاناً وَلٰکِنْ بُعِثْتُ دَاعِیاً وَرَحْمَةً، اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ﴾

(میں لعنت کرنے کے لئے نبی نہیں بنایا گیا، مجھے تو خدا کی طرف بلانے والا اور سراپا رحمت بنایا گیا ہے، اے خدا! میری قوم کو ہدایت فرما، کیونکہ وہ مجھے جانتے نہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آسکتے تھے، ابوسفیان نے دیکھ لیا فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[2] ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ یہاں محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ ﷺ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر پکارا، اور جب کچھ آواز نہ آئی، تو پکار کر بولا سب مارے گئے، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا بول اٹھے او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں،

ابوسفیان نے کہا:

﴿اُعْلُ هُبَل﴾ ''اے ہبل! تو اونچا رہ''

---

[1] رحمۃ للعالمین ا۔ ۱۱۱، بحوالہ الشفاء قاضی عیاض ص ۴۷

[2] سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۴۵

صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے کہا:

﴿أَللّٰهُ أَعْلٰى وَ اَجَلُّ﴾ ''اللہ اونچا ہے اور بڑا ہے''

ابوسفیان نے کہا:

﴿لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ﴾ ''ہمارے پاس عزیٰ ہے، تمھارے پاس نہیں''

صحابہؓ نے کہا:

﴿أَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ﴾ ''خدا ہمارا آقا ہے اور تمھارا کوئی آقا نہیں''

ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے، فوج کے لوگوں نے مُردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں، میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا۔[1]

چند شہداء کا حال

حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے سعد بن الربیع کو دیکھنے کے لیے بھیجا اور مجھ سے فرمایا کہ وہ اگر تم کو مل جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا کہ رسول اللہ ﷺ پوچھتے ہیں تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ زید کہتے ہیں کہ میں لاشوں کو دیکھتا پھرتا تھا کہ میری نظر سعد پر پڑی، ان کا دم واپسیں تھا، ان کے جسم میں نیزے، تلوار کے ستر زخم تھے، میں نے کہا سعد! رسول اللہ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ احد

ﷺ تم کوسلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں تم کس حال میں ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ کو میرا اسلام کہنا اور عرض کرنا کہ مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، میری قوم انصار سے میرا پیام کہنا کہ ''جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ بھی تم میں سے باقی ہے اس وقت تک اگر دشمن نبی ﷺ تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کرسکو گے'' یہ کہہ کران کی روح پرواز کرگئی۔[۱]

شہداء میں دیکھا گیا تو عمرو بن ثابت کی بھی لاش تھی، ان کا لقب اصیر م ہے، یہ قبیلہ بنی عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے، احد کے معرکے سے پہلے ان کو اسلام سے ہمیشہ انکار رہا، احد کے دن دفعتہً ان کے دل میں اسلام کا جذبہ پیدا ہوا، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ تشریف لے جا چکے تھے، یہ مسلمان ہوئے تلوار ہاتھ میں لی اور جنگ میں شریک ہوگئے، کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی، جب میدان صاف ہوا اور بنی عبدالاشہل اپنے قبیلہ کے شہداء کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ اُصیرؔم بھی زخمی پڑے ہیں اور کچھ سانس باقی ہے، انھوں نے کہا یہ تو اُصیرؔم معلوم ہوتے ہیں، یہ یہاں کہاں، یہ تو اسلام کے منکر تھے، پھر انھوں نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے؟ کیا قوم کی حمیت میں یا اسلام کی محبت میں؟ انھوں نے کہا نہیں بلکہ اسلام کی محبت میں، میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لایا اور میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور اس سعادت کو پہونچا یہ کہہ کر ان کی روح پرواز کرگئی، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا، آپ

---

[۱] مستدرک حاکم ۳۔۲۲۱، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر مناقب سعدؓ بن ربیع

ﷺ نے فرمایا ''وہ جنتی ہیں'' حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اصیرم کو ایک وقت کی نماز پڑھنے کی بھی نوبت نہیں آئی، (اسلام لانے کے بعد ہی شہید ہو گئے) ۱؎

انہی شہداء میں حضرت جابر کے والد حضرت عبد اللہ عمرو بھی تھے، انھوں نے احد سے پہلے حضرت مبشر بن عبد المنذر کو (جو بدر میں شہید ہو چکے تھے۔) خواب میں دیکھا کہ وہ ان سے کہہ رہے ہیں کہ تم ہمارے پاس چند ہی دن میں آنے والے ہو، انھوں نے کہا تم کہاں ہو؟ مبشر نے کہا جنت میں، یہاں ہم آزادی کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں، عبد اللہ نے کہا کیا تم بدر میں شہید نہیں ہوئے؟ انھوں نے کہا ہاں! لیکن پھر مجھے زندہ کر دیا گیا، حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ شہادت کی طرف اشارہ ہے'' ۲؎ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد کی لاش کو آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا، دشمنوں نے ان کے اعضاء کاٹے تھے، جب آپ ﷺ کے سامنے ان کو رکھا گیا تو میں ان کا منھ کھولنے چلا تو لوگوں نے مجھے منع کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ فرشتے برابر ان پر سایہ کرتے رہے ہیں۔ ۳؎

انہی شہداء میں حضرت خیثمہ بھی تھے، ان کے بیٹے بدر میں شہید ہوئے تھے، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ بدر کی لڑائی سے میں رہ گیا، حالانکہ مجھے اس کا بڑا شوق تھا، لیکن قرعہ میں میرے بیٹے کا نام نکلا اور شہادت

۱؎ مستدرک حاکم ۳۔ ۳۰، مسند احمد ۵۔ ۴۲۸، ۴۲۹

۲؎ مستدرک حاکم ۳۔ ۲۲۵

۳؎ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد

انہیں کے نصیب میں تھی، یارسول اللہ ﷺ میں نے رات اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا بہترین شکل وصورت ہے، جنت کے میوؤں اور نہروں کے درمیان چلتا پھرتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ مجھ سے آملو، ساتھ رہیں گے، میرے رب نے مجھ سے جو کچھ وعدہ کیا وہ میں نے حق پایا، خدا کی قسم یارسول اللہ ﷺ اب میں جنت میں اس کی رفاقت کا بہت مشتاق ہوں، میری عمر بھی بہت ہوگئی، ضعیفی کا زمانہ ہے، اب مجھے اپنے رب کی ملاقات ہی کا شوق ہے، آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیے کہ جنت میں رفاقت نصیب فرمائے، آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی اور وہ احد میں شہید ہوگئے۔ [1]

انہی شہداء میں عبدالرحمٰنؓ بن جحش بھی تھے، انھوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! تجھ کو قسم ہے کہ کل میرا دشمن کا سامنا ہو وہ مجھے قتل کریں، پھر میرا پیٹ پھاڑیں اور ناک کان کاٹیں، پھر تو مجھ سے سوال کرے کہ یہ سب کس لئے ہوا؟ میں کہوں یہ سب تیری خاطر۔ [2]

انہی شہداء میں عمروؓ بن الجموح بھی تھے، ان کے پاؤں میں سخت لنگ تھا، ان کے چار جوان بیٹے تھے ------------

------------ جب احد کا معرکہ پیش آیا تو عمروؓ نے بھی میدان کا ارادہ کیا، بیٹوں نے کہا اللہ نے آپ کو جہاد سے معافی دی ہے، آپ گھر میں رہیں اور ہم لڑنے جائیں، وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا

---

[1] زادالمعاد ۳۔۲۰۸ [2] اسدالغابہ ۳۔۹۱، زادالمعاد ۳۔۲۰۸

یارسول اللہ ﷺ میرے بیٹے مجھے جہاد سے روکتے ہیں، میں تو امید کرتا ہوں کہ میں شہید ہوں اور اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ نے تم کو جہاد سے رخصت دی ہے'' اور ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ ''تمھارا کیا حرج ہے ان کو جانے دو شاید اللہ ان کو شہادت نصیب کرے۔'' [۱]

انہی شہداء میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کے بدن پر اسلام سے پہلے دو سو روپے سے کم کی پوشاک نہیں ہوتی تھی، وہ صرف ایک کمّل چھوڑ کر شہید ہوئے تھے، جو اتنا چھوٹا تھا کہ کفن دینے میں جب ان کا سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پیر چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کمّل سے سر چھپا دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ [۲]

اسی جنگ میں نبی ﷺ کے محبوب چچا شیر خدا حضرت حمزہؓ بھی شہید ہوئے، دشمنوں نے ان کے اعضاء کاٹ کر ان کی لاش کو بے حرمت کیا تھا، ہند زوجہ ابوسفیان نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لئے اگل دینا پڑا۔ [۳]

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) شکست کی خبر سن کر مدینہ سے

---

[۱] مستدرک حاکم ۳۔ ۲۲۶، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۹۰

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد

[۳] سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۴۷، ابن ہشام ۲۔ ۹۱

نکلیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں، زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی، لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے لیکن ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ [۱]

خاتونانِ اسلام کی خدمت گذاری وجانثاری

اس غزوہ میں اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی، حضرت عائشہؓ اور ام سُلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ "میں نے عائشہ اور ام سُلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتیں تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو جا کر پھر بھر لاتی تھیں۔ [۲] ایک روایت میں ہے کہ ام سُلیطؓ نے بھی جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی ماں تھیں یہی خدمت انجام دی۔ [۳]

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے، باری باری تین حادثوں کی صدا ان کے کانوں میں پڑی تھی لیکن

---

[۱] مستدرک حاکم ۳۔۲۱۸، تاریخ طبری ۳۔۲۷

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ احد

[۳] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ذکر ام سلیط

وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں، انہوں نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں: ﴿كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ﴾[۱] ''آپ کے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں'' ع

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا

اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

مسلمانوں کی طرف ستّر آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر انصار تھے، لیکن مسلمانوں کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہوسکتی، شہداء بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے، دو دو ملا کر ایک قبر میں دفن کئے گئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا،[۲] آٹھ برس بعد (وفات سے ایک دو برس پہلے) جب آپ ادھر سے گذرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہوئی اور اس طرح آپ نے پُر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندہ کسی مُردہ سے رخصت ہو رہا ہو، اور اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا کہ ''مسلمانو! تم سے یہ خوف نہیں کہ تم پھر مشرک بن جاؤ گے، لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔'' [۳]

---

۱ سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۹۹، سیرۃ ابن کثیر ۳۔۹۳، طبری ۳۔۴۷

۲ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد

۳ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب احد جبل یحبنا ونحبہ

سَریۂ حمراء الأسد

دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور تھے، تاہم خیال کرکے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو، آپ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کرکے فرمایا کہ کون ان کا تعاقب کرے گا، فوراً ستّر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لئے تیار ہوگئی، جن میں حضرت ابوبکر و زبیر رضی اللہ عنہما بھی داخل تھے۔ [1]

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہوکر جب مقام روحا پر پہونچا، یہاں خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا، آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے گمان تھا، دوسرے ہی دن آپ ﷺ نے اعلان کرادیا کہ کوئی واپس نہ جائے، چنانچہ حمراء الاسد تک جو مدینہ سے آٹھ میل ہے، تشریف لے گئے، قبیلہ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا، لیکن درپردہ اسلام کا طرفدار تھا، اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سنکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور واپس جاکر ابوسفیان سے ملا، ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، معبد نے کہا ”میں دیکھتا آتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس سروسامان سے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے، غرض ابوسفیان واپس چلا گیا“ [2]

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا، آپ ﷺ جس طرف سے گذرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں،

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ”الذین استجابوا للہ وللرسول“

[2] مسند احمد ۲۔۸۴، ابن ہشام ۲۔۱۰۰ تا ۱۰۴

آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز واقارب ماتمداری کا فرض ادا کر رہے ہیں، لیکن حضرت حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے، رقت کے جوش میں آپ کی زبان مبارک سے بے اختیار نکلا ﴿أَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهُ﴾ لیکن حمزہ (رضی اللہ عنہ) کا کوئی رونے والا نہیں۔"

انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے، سب نے جا کر اپنی بیبیوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم کرو، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو دروازے پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم بلند تھا، ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا کہ میں تمہاری ہمدردی کا شکر گذار ہوں، لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔[1]

عضل وقارہ اور بئر معونہ کے دلدوز واقعات اور خبیبؓ کی جوانمردی

جنگ احد کے بعد دشمنوں نے مسلمانوں کو نقصان پہونچانے اور پامال کرنے کی مختلف تدابیر پر عمل کیا، چنانچہ ۴ھ میں قریش نے قوم عضل اور قارہ کے سات شخصوں کو گانٹھ کر مدینہ میں نبی ﷺ کے پاس بھیجا کہ ہمارے قبیلے اسلام لانے کو تیار ہیں، ہمارے ساتھ معلم کر دیجئے۔[2] رسول اللہ ﷺ نے دس بزرگ صحابہ کو جن کے سردار عاصم بن ثابتؓ تھے ان کے ساتھ کر دیا، جب یہ صحابہؓ اُن کی زد میں پہنچ گئے تو اُن کے دوسو جوان آئے کہ انہیں زندہ گرفتار کرلیں،

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔ ۲۱۵، ذہبی نے حدیث کی تصحیح فرمائی ہے، ابن ہشام ۲۔ ۹۹

[2] طبقات ابن سعد ۲۔ ۵۰

تیر اندازوں نے ان سے کہا کہ ''اتر آؤ ہم تم کو امن دیتے ہیں'' حضرت عاصمؓ نے کہا ''میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا'' یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ ''اپنے پیغمبر کو خبر پہونچادے'' غرض وہ مع سات آدمیوں کے لڑ کر تیر اندازوں کے ہاتھ شہید ہوگئے۔[1] قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ عاصمؓ کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائیں کہ ان کی شناخت نہ ہو، قدرتِ خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی، شہد کی مکھیوں نے لاش پر پڑا ڈال دیا، قریش ناکام پھر گئے۔[2] لیکن دو شخصوں نے جن کے نام خبیبؓ اور زیدؓ تھے کافروں کے وعدوں پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے، سفیان ہذلی مکہ میں لے گیا اور قریش کے پاس فروخت کر آیا، قریش نے انہیں حارث بن عامر کے گھر میں چند روز بھوکا پیاسا قید رکھا، ایک دن حارث کا بچہ کھیلتا ہوا حضرت خبیبؓ کے پاس پہونچ گیا، ان کے پاس اس وقت اُسترہ تھا، انہوں نے بچہ کو زانوں پر بٹھالیا، جب بچہ کی ماں نے یکا یک دیکھا کہ اس کا بچہ قیدی کے پاس ہے، جسے چند روز سے انہوں نے بے آب و دانہ رکھا تھا اور اس کے پاس اُسترہ بھی ہے، تو بے اختیار چیخ ماری، حضرت خبیبؓ نے کہا: یہ سمجھتی ہے کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا، نہیں جانتی کہ مسلمانوں کا کام غدر کرنا نہیں۔

ظالم قریش والوں نے چند روز کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا ''اگر اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے'' دونوں بزرگوار نے جواب دیا کہ ''جب اسلام نہ باقی رہا تو

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع
[2] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۱۷۱

جان رکھ کر کیا کریں گے۔"

اب قریش نے پوچھا کہ کوئی تمنا ہو تو بیان کرو، حضرت خبیبؓ نے کہا کہ دو رکعت نماز پڑھ لینے کی ہمیں مہلت دی جائے، مہلت دی گئی تو انہوں نے نماز ادا کی، حضرت خبیبؓ نے کہا میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا لیکن سوچا کہ دشمن یہ نہ کہیں کہ موت سے ڈر گیا ہے، بے رحموں نے دونوں کو صلیب پر لٹکایا اور نیزہ والوں سے کہا کہ نیزہ کی انی سے ان کے جسموں کے ایک حصہ پر چرکے لگائیں۔[1]

اللہ اکبر! ان کا دل اسلام پر کتنا قائم تھا، ان کو دین حق پر کتنی استقامت تھی، ان کو ہمیشہ کی نجات اور خدا کی خوشنودی کا کتنا یقین تھا کہ ان تمام تکلیفوں اور زخموں کو برداشت کرتے ہوئے اُف تک نہ کی۔

ایک سخت دل نے حضرت خبیبؓ کے جگر کو چھیدا اور پوچھا کہو اب تم بھی پسند کرتے ہو گے کہ محمد (ﷺ) پھنس جائیں اور میں چھوٹ جاؤں، خبیبؓ نے نہایت جوش سے جواب دیا "خدا جانتا ہے میں تو یہ بھی نہیں پسند کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لئے نبی ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی لگے۔[2]

خدا کے اس برگزیدہ بندہ فتی الفتیان (جوانمرد ترین جوانمردان) نے مقتل اور تماشائیوں کے ہجوم میں صلیب کے نیچے کھڑے ہو کر فی البدیہہ اشعار کہے ہیں، ان سے اس منظر کی پوری کیفیت اور اس بزرگوار کی صداقت و محبتِ اسلام کی پاکیزہ صورت نظر آتی ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع ورعل وزکوان [2] زاد المعاد ۳۔ ۲۴۵

''انبوہ درانبوہ لوگ میرے گرداگرد کھڑے ہورہے ہیں اورانھوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلالیا ہے، یہ سب کے سب عداوت نکال رہے ہیں اور میرے خلاف جوش دکھارہے ہیں، اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں، قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلارکھا ہے اور مجھے ایک مضبوط بلند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں، انھوں نے کہہ دیا ہے کہ کفراختیار کرنے سے مجھے آزادی مل سکتی ہے مگر اس سے تو موت میرے لئے زیادہ سہل ہے، میری آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری ہیں مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں، میں دشمن کے سامنے نہ عاجزی کروں گا اور نہ روؤں چلاؤں گا، میں جانتا ہوں کہ میں خدا کی طرف جارہا ہوں، موت سے مجھے اس لئے ڈر نہیں کہ میں مرجاؤں گا، لیکن میں تو لپٹ والی آگ کے خون چوسنے سے ڈرتا ہوں، اس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی اور مجھے شکیبائی کیلئے فرمایا ہے، اب انھوں نے زودکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ کوٹ دیا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے، میں اپنی درماندگی اور بےوطنی وبیکسی کی فریاد اور ان ارادوں کی (جو میرے جان توڑنے کے بعد یہ لوگ رکھتے ہیں) خدا سے کرتا ہوں، بخدا جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو میں یہ پرواہ نہیں کرتا کہ راہ خدا میں کس پہلو پر گرتا اور کیونکر جان دیتا ہوں، خدا کی ذات سے اگر وہ چاہے یہ بالکل امید ہے کہ وہ پارہائے گوشت کے ہرایک ٹکڑے کو

برکت عطا فرمائے۔'' ؎۱

سب سے آخر میں یہ دعا تھی: ﴿اَللّٰھُمَّ اِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَةَ رَسُوْلِکَ فَبَلِّغْهُ الْغَدَاةَ مَا یَصْنَعُ بِنَا.﴾

''اے خدا ہم نے تیرے رسول ﷺ کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیئے، اب تو اپنے رسول ﷺ کو ہمارے حال کی اور ان کے کرتوتوں کی خبر فرمادے۔'' ؎۲

سعید بن عامرؓ (جو حضرت عمر فاروقؓ کے عمال میں سے تھے) کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھی یکبارگی بیہوش ہو جایا کرتے، عمر فاروقؓ نے ان سے وجہ پوچھی وہ بولے مجھے نہ کوئی مرض ہے، نہ کچھ شکایت ہے، جب خبیبؓ کو صلیب پر چڑھایا گیا تو میں مجمع میں موجود تھا، مجھے جس وقت خبیب کی باتیں یاد آجاتی ہیں تو میں کانپ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ ؎۳

ابو براء عامر نے بھی ایسا ہی فریب کیا، وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ملک نجد کی تعلیم وہدایت کے کچھ منادی میرے ساتھ بھیج دیجئے، اس کا بھتیجا نجد کا رئیس تھا، عامر نے یقین دلایا تھا کہ منادی کرنے والوں کی حفاظت کی جائے گی، نبی ﷺ نے منذر بن عمروؓ انصاری کو مع ستر صحابہؓ کے جو قراء و فضلاء ومنتخب بزرگوار تھے، اس کے ساتھ کر دیا، جب وہ بئر معونہ پر جا پہنچے، جو

؎۱ زادالمعاد ۳۔ ۲۴۵، ابن ہشام ۲۔ ۱۷۶

؎۲ و ؎۳ ابن ہشام ۲۔۱۷۳

بنی عامر کا علاقہ تھا تو وہاں سے حرام بن ملحان کو نامۂ نبویؐ دے کر طفیل حاکم کے پاس بھیجا گیا، اس نے اس سفیر کو قتل کرادیا، جبار بن سلمیٰ ایک شخص تھا، جس نے حاکم کے اشارے سے ان کی پشت میں نیزہ مارا تھا جو چھاتی سے صاف نکل گیا، انھوں نے گرتے ہوئے کہا ﴿فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ﴾ ''قسم ہے کعبہ کے خدا کی میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔''

قاتل پر اس فقرہ نے ایسا اثر کیا کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوگیا، حاکم نے باقی سب کو بھی قتل کرادیا، کعب بن زید نے جو کشتگان خنجر تسلیم کی اوٹ میں چھپ کر بچ رہے تھے، اس واقعہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو پہونچائی۔[1]

بنو نضیر کی جلاوطنی

بنی اسرائیل (یہود) اپنے ابتدائی زمانہ میں خدا کی مقبول اور برگزیدہ قوم تھی لیکن آخر دور میں وہ خدا سے اس قدر دور ہوتے گئے کہ خدا کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔

حضرت مسیحؑ جیسے رحم دل نے ان کی حالتوں کو دیکھ کر انھیں سانپ اور سانپ کے بچے بتایا تھا اور یہ بھی خبر دی تھی کہ خدا کہ بادشاہت اس قوم سے لیجا کر ایک دوسری قوم کو دی جائے گی جو اس کے اچھے پھل لائے۔

جب اس بشارت کے ظہور کا وقت آگیا اور محمد ﷺ نے اپنی

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع، ابن ہشام ۲۔ ۱۸۴

بہترین تعلیم کی تبلیغ شروع کی تو یہود نے سخت پیچ وتاب کھایا اور آخر یہی فیصلہ کیا کہ محمد رسول ﷺ کو بھی ویسے ہی ظلم وستم کی آماجگاہ بنایا جائے جیسا کہ مسیحؑ کو بنا چکے تھے۔ [۱]

یہود اگر چہ ہجرت کے پہلے ہی سال معاہدہ کر کے امن عامہ کا پیمان باندھ چکے تھے لیکن فطری شرارت نے زیادہ دیر تک چھپا نہ رہنے دیا، معاہدہ سے ڈیڑھ سال ہی کے بعد شرارتوں کا آغاز ہو گیا، جب نبی ﷺ بدر کی جانب گئے ہوئے تھے انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے محلّہ میں دودھ بیچنے گئی، چند یہودیوں نے شرارت کی اور اسے سرِ بازار برہنہ کر دیا، عورت کی چیخ وپکار سن کر ایک مسلمان موقع پر جا پہنچا، اس نے طیش میں آ کر فساد انگیز یہودی کو قتل کر دیا، اس پر سب یہودی جمع ہو گئے اس مسلمان کو بھی مار ڈالا اور بلوہ بھی کیا، نبی ﷺ نے بدر سے واپس آ کر یہودیوں کو اس بلوہ کے متعلق دریافت کرنے کے لئے بلایا، انھوں نے معاہدہ کا کاغذ بھیج دیا اور خود جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ [۲]

یہ حرکت اب بغاوت تک پہنچ گئی تھی اس لئے ان کو یہ سزا دی گئی کہ مدینہ چھوڑ دیں [۳] قریش نے مدینہ کے بت پرستوں کو نبی ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کی بابت خط لکھا تھا مگر آنحضرت ﷺ کی زیرکی ودانائی سے ان

---

[۱] رحمۃ للعالمین ۱۔ ۱۲۹، ۱۳۰

[۲] البدایۃ والنہایۃ ۴۔ ۴۰۳، عیون الأثر ۱۔ ۲۹۵

[۳] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر

کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی اب بدر میں شکست پانے کے بعد قریش نے یہود کو پھر لکھا کہ ''تم جائدادوں اور قلعوں کے مالک ہو، تم محمد ﷺ سے لڑو، ورنہ ہم تمھارے ساتھ ایسا اور ایسا کرینگے، تمھاری عورتوں کی پازیبیں تک اتارلیں گے، اس خط کے ملنے پر بنونضیر نے عہد شکنی کا اور آنحضرت ﷺ سے فریب کرنے کا ارادہ کرلیا''۔[1]

۴ھ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ ایک قومی چندہ فراہم کرنے کے لئے بنونضیر کے محلّہ میں تشریف لے گئے انھوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھادیا اور تدبیر یہ کی کہ ابن جحاش ملعون دیوار کے اوپر جا کر ایک بھاری پتھر نبی ﷺ پر گرادے اور حضور ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کردے۔

آنحضرت ﷺ کو وہاں جابیٹھنے کے بعد باعلام ربانی اس شرارت کا علم ہوگیا اور حفاظتِ الٰہی سے بچ کر چلے آئے۔[2]

بالآخر بنونضیر کو یہ سزادی گئی کہ خیبر جاکر آباد ہوجائیں انھوں نے چھ سو اونٹوں پر اسباب لادا، اپنے گھروں کو اپنے ہاتھ سے گرایا، باجے بجاتے ہوئے نکلے اور خیبر جابسے۔[3]

---

[1] سنن ابی داؤد، باب فی خیبر بنی النضیر

[2] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۱۹۰

[3] مصنف عبدالرزاق ۵۔ ۳۵۸، ابن ہشام ۲۔ ۱۹۲،۱۹۱

غزوہ خندق

بنونضیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انھوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، ان روساء میں سے سلام بن ابی الحُقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا ''اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کیا جاسکتا ہے'' قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے، قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے، بنواسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان نے ان کو لکھ بھیجا کہ تم بھی ساتھ فوجیں لے کر آؤ، قبیلہ بنوسلیم سے قریش کی قرابت تھی اس تعلق سے انھوں نے بھی ساتھ دیا، بنوسعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا، غرض تمام قبائلِ عرب سے لشکرِ گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا، ان کی تعداد دس ہزار سے زائد تھی۔[۱]

آنحضرت ﷺ نے یہ خبریں سنیں صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے، انھوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں، ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور اردگرد خندق کھود لی جائے، تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے۔

مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا

---

[۱] فتح الباری ۷۔ ۳۹۳، ابن ہشام ۲۔ ۲۱۴، ۲۱۵

تھا، صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا، آنحضرت ﷺ نے ۳/ ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں، یہ ذوقعدہ ۵ھ کی ۸/ تاریخ تھی۔

آنحضرت ﷺ نے نشانات خود قائم کیے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق ۵/ گز رکھا گیا، ۶/ دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں سے یہ کام انجام پایا۔[۱]

جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرورِ دو جہاں ﷺ مزدوروں کی صورت میں تھے، آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتیں ہیں، تین تین دن کا فاقہ ہے، مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھوں پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہیں اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر کہتے ہیں ع

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدَا عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِيْنَا أَبَداً

''ہم وہ ہیں جنھوں نے ہمیشہ کے لئے محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی ہے'' [۲]

سرور دو عالم بھی مٹی پھینک رہے ہیں، شکم مبارک پر گرد اَٹ گئی ہے اسی حالت میں یہ رجز زبان پر ہے۔ ع

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْأُولٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

---

[۱] فتح الباری ۷۔ ۳۹۳، ۳۹۴، ابن ہشام ۲۔ ۲۱۶، ۲۱۷، [۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، غزوۃ الخندق

"أَبِيْنَا" کا لفظ جب آتا تھا تو آواز بلند ہو جاتی تھی اور مکرر کہتے تھے، اس کے ساتھ انصار کے حق میں دعا بھی دیتے تھے، اور یہ موزوں الفاظ زبان پر آتے تھے۔ ع

أَللّٰهُمَّ اِنَّهُ لَاخَيْرَ اِلَّاخَيْرَ الآخِرَة　　　فَبَارِكْ فِيْ الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة[۱]

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی، رسول ﷺ تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا آپ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی۔[۲]

سَلَع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی، مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے سلمۃ بن اسلم ۲۰۰ ر آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے[۳]

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنو نضیر نے ان کو ملا لینے کی کوشش کی، حُیَی بن اخطب (حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، اس نے ملنے سے انکار کیا، حیی نے کہا "میں فوجوں کا دریائے بیکراں لایا ہوں قریش اور تمام عرب امنڈ آیا ہے اور ایک محمد (ﷺ) کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے جانے دینے کے قابل نہیں اب اسلام کا خاتمہ ہے۔" کعب اب بھی راضی نہ تھا، اس نے کہا: میں نے محمد

---

[۱] و [۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق

[۳] سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی ۱۔ ۴۲۲

(ﷺ) کو ہمیشہ صادق الوعد پایا، ان سے عہد شکنی کرنا خلاف مروت ہے، لیکن حیی کا جادو رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمام حجت کے لئے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو وہاں بھیجا اور فرمایا کہ اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہو تو وہاں سے آکر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بیدلی نہ پھیلنے پائے، دونوں صاحبوں نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا تو انھوں نے کہا ''ہم نہیں جانتے محمد (ﷺ) کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے۔'' [۱]

غرض بنو قریظہ نے ۔۔۔۔۔۔ اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا، قریش، یہود، اور قبائلِ عرب کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین ہل گئی [۲]

اس معرکہ کی تصویر خود خدا نے کھینچی ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا. هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾ (سورۃ الاحزاب)

''جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپڑے، اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منھ میں آ گئے

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۲۲۰، ۲۲۴

[۲] سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی ۱۔ ۴۲۳، فتح الباری میں اور سیرت کی کتابوں میں لشکر کی تعداد دس ہزار مذکور ہے

اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، تب
مسلمانوں کی جانچ کا وقت آ گیا وہ زور سے لرزنے لگے۔''[۱]

فوجِ اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی، جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتوں کی بے خوابی، بیشمار فوجوں کا ہجوم، ایسے واقعات تھے، جنھوں نے ان کا پردہ فاش کردیا، آ آ کر آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں، ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔[۲]

﴿یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَّمَا ھِیَ بِعَوْرَۃٍ، اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَاراً﴾ (احزاب)

''کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں
ہیں، بلکہ ان کو بھاگنا مقصود ہے۔''

لیکن جانثارانِ اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا۔[۳]

﴿وَلَمَّا رَأَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَمَا زَادَھُمْ اِلَّا اِیْمَاناً وَّتَسْلِیْماً﴾ (احزاب)

---

[۱] صحیح بخاری میں موجود ہے کہ یہ آیات غزوۂ خندق کے بارے میں نازل ہوئیں، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق

[۲] زاد المعاد ۳۔ ۲۷۲، سیرۃ ابن ہشام ۲۔۲۲۲ [۳] تفسیر قرطبی ۱۴۔ ۱۵۷

''جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا اور خدا اور اس کا رسولؐ دونوں سچے تھے اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔''

محاصرہ کی شدت اور صحابہ کرام کی عزیمت

تقریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ پر تین تین فاقے گذر گئے، ایک دن صحابہؓ نے بیتاب ہوکر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیٹ کھول کر دکھائے، کہ پتھر بندھے ہیں لیکن جب آپ ﷺ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔[1] محاصرہ اس قدر شدید اور پُر خطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟ تین دفعہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی، آنحضرت ﷺ نے اسی موقع پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حواری کا لقب دیا۔[2]

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے، آنحضرت ﷺ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں، ایک حصہ خود آپ ﷺ کے

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی عیش النبیؐ

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق

اہتمام میں تھا۔ ۱

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انصار ہمت ہار جائیں، اس لئے آپ ﷺ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دے دیا جائے، سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو رؤسائے انصار نے بلا کر مشورہ فرمایا، دونوں نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے، یہ استقلال دیکھ کر آپ ﷺ کو اطمینان ہوا، سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ لے کر تمام عبارت مٹادی اور کہا ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں۔ ۲

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، ہُبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا، ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج لے کر لڑتا تھا، خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے، لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا اس لئے باہر سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ ۳ چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے، تمام فوجیں یکجا ہوئیں، قبائل کے تمام سردار آگے آگے

---

۱ سیرت النبیؐ ۱۔ ۴۲۵

۲ کشف الاستار للبزار ۱۔ ۳۳۲، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۲۲۳

۳ سیرۃ حلبیہ ۲۔ ۶۳۶

تھے، خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی، یہ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا، عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضِرار، ہُبَیرہ، نوفل، عمرو بن عبدِ وُد نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اس پار تھے، ان میں سب سے زیادہ بہادر عمرو بن عبدِ وُد تھا، وہ ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا، جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا، اس وقت اسکی عمر ۹۰ ر برس کی تھی، تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا کہ "میں" لیکن آنحضرت ﷺ نے روکا کہ یہ عمرو بن عَبدِ وُد ہے! حضرت علیؓ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا، عمرو نے دوبارہ پکارا اور پھر وہی ایک صدا جواب میں تھی، تیسری دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "یہ عمرو ہے" تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے، غرض آپ ﷺ نے اجازت دی خود دستِ مبارک سے تلوار عنایت کی، سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا، حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی تیرا قول ہے، پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:

حضرت علیؓ:۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔

عمرو:۔ یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت علیؓ:۔ لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو:۔ میں خاتونانِ عرب کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علیؓ:۔ مجھ سے معرکہ آرا ہو،

عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی، حضرت علیؓ پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں، پھر پوچھا کی تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا، اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا، آپ نے فرمایا "ہاں لیکن میں چاہتا ہوں" عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا، پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا، حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا، قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے، ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا، دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی، ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ [1]

عمرو کے بعد ضرار اور ہبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا، حضرت عمر فاروقؓ نے ضرار کا تعاقب کیا، ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔ ۳۴، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۲۲۴، ۲۲۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۔ ۴۳۶، ۴۳۹، سیرۃ النبیؐ ۱۔ ۴۲۷، ۴۲۸

لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔[۱]

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا، صحابہؓ نے تیر مارنے شروع کئے، اس نے کہا ''مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں'' حضرت علیؓ نے اس کی درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان تھا۔[۲] حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا تمام دن لڑائی رہی، کفار ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پائی تھی، یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متصل چار نمازیں قضا ہوئیں، متصل تیر اندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔[۳]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا دلیرانہ اقدام

مستورات جس قلعہ میں تھیں، بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے، قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا، حضرت صفیہؓ (آنحضرت ﷺ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا، مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ بن ثابت (شاعرِ رسولؐ) متعین کر دئے گئے تھے، حضرت صفیہؓ نے ان سے کہا کہ اتر کر اس کو قتل کر دو، ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ کریگا، حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر

---

[۱] سیرۃ حلبیہ ۲۔ ۶۴۴ [۲] دلائل النبوۃ ۳۔ ۴۳۸، سیرۃ حلبیہ ۲۔ ۶۳۷

[۳] سنن النسائی، کتاب الصلوۃ

دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا، حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسانؓ نے کہا جانے دیجئے مجھ کو اس کی ضرورت نہیں، حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینی پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی فوج متعین ہے، اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی۔[1]

نصرتِ غیبی اور محاصرہ کا خاتمہ

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا، محاصرہ کرنیوالے ہمت ہارتے جاتے تھے، دس ہزار آدمیوں کو رسد پہونچانا، آسان کام نہ تھا، اتفاق یہ کہ باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا، خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں، کھانے کے دیگچے چولہوں پر الٹ الٹ جاتے تھے، اس واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا، اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادصرصر کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔[2]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا،﴾ (احزاب)

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۲۲۸ [2] دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۔ ۴۴۸

''مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم پر فوجیں
آپڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم
کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔''

نُعیم بن مسعود ثقفیؓ ایک غطفانی رئیس تھے، قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا، انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کیں جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔[۱]

موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیٰحدگی، یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب نہیں ٹھہر سکتے تھے، ابوسفیان نے فوج سے کہا، رسد ختم ہو چکی، موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا، اب محاصرہ بیکار ہے، یہ کہہ کر طبلِ رحیل بجنے کا حکم دیا۔[۲] غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے، بنوقریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۰، ۲۲/دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا۔

﴿وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْراً وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ،﴾ (أحزاب)

''اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کو کچھ
ہاتھ نہ آیا، اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آئی۔''

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۱۲۹ [۲] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۲۳۲

اس معرکہ میں فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا، یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جاں بر نہ ہو سکے، ان کے زخم کھانے کا واقعہ مؤثر اور عبرت انگیز ہے۔

ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہاد اور شہادت پر آمادہ کرتی ہے

حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں پناہ گزیں تھیں، سعد بن معاذؓ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے باہر نکل کر پھر رہی تھی، عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑ کر دیکھا تو سعدؓ ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے ع

لَبِّثْ قَلِيلاً يُدْرِكِ الْهَيْجَا جَمَلْ   لَابَأْسَ بِالْمَوْتِ اِذَالْمَوْتُ نَزَلْ

''ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی میں ایک شخص اور پہنچ جائے،
جب وقت آ گیا تو موت سے کیا ڈر ہے۔''

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو آواز دی بیٹا! دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی، سعدؓ کی ذرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی ماں سے کہا ''کاش سعد کی لمبی ذرہ ہوتی'' اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی۔[1] خندق کا معرکہ

---

[1] صحیح البخاری، باب رجع النبی من الاحزاب، تفصیل سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۲۲۶، ۲۲۷ اور دلائل النبوۃ ۳۔ ۴۴۰، ۴۴۱ میں ہے۔

ہو چکا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور ان کی تیمارداری شروع کی اس لڑائی میں رُفَیدہ ایک خاتون شریک تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، یہ خیمہ انہیں کا تھا اور وہ علاج کی نگراں تھیں، آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے مِشقص لے کر داغا لیکن وہ پھر ورم کر آیا، دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا، کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی۔[۱]

غزوۂ ذات الرِقاع

غزوۂ خندق کے بعد آپ ﷺ نے غطفان کے قبائل کے مقابلہ کے لئے چار سو صحابہؓ کے ساتھ نجد کا رخ کیا اس غزوہ میں صحابہؓ کے پاؤں ایسے زخمی ہو گئے تھے کہ چیتھڑے لپیٹ کر چلتے تھے اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۂ ذات الرقاع ہے۔[۲] اس غزوہ کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ دو صحابی عَبّاد بن بشرؓ اور عَمّار بن یاسرؓ ایک جگہ پہرے پر مقرر تھے، حضرت عبادؓ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عمار سوئے ہوئے تھے، ایک دشمن نے حضرت عبادؓ کو ایک تیر مارا، انہوں نے تیر نکال کر پھینک دیا اور نماز برابر پڑھتے رہے یہاں تک کہ انکے تین تیر لگے لیکن وہ نماز میں مشغول رہے، سلام پھیرنے کے بعد اپنے ساتھی کو جگایا، انہوں نے کہا سبحان اللہ! تم نے ہمیں جگا کیوں نہ دیا، انہوں نے کہا کہ میں ایک

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب رجع النبی من الاحزاب، فتح الباری ۷۔۴۱۲

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ ذات الرقاع

سورہ پڑھ رہا تھا میرا جی نہ چاہا کہ اس کو ناتمام چھوڑ دوں۔[1]

غزوۂ بنو قریظہ

آنحضرت ﷺ نے آغاز قیام میں یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، اوران کو جان و مال و مذہب ہر چیز میں امن و آزادی بخشی، لیکن جب قریش نے ان کو تحریض و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا اور جلا وطن کر دیے گئے، لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا چنانچہ ان کو امن دیدیا گیا، صحیح مسلم میں ان واقعات کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے.....[2]

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ يَهُودَ بَنِي النَّضِيرِ وَقُرَيْظَةَ حَارَبُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلىٰ رَسُولُ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَليهِ وَسَلَّمَ بَنِي النَّضِيرِ وَ أَقَرَّ قُرَيْظَةَ وَمَنَّ عَلَيْهِم﴾

”حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہود نے آنحضرت ﷺ سے لڑائی کی تو آپ ﷺ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا اور قریظہ کو رہنے دیا اور احسان کیا۔[3]

---

[1] مسند احمد ۳۔ ۳۴۴، سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من الدم

[2] سیرۃ النبیؐ ۱۔ ۴۳۳

[3] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب اجلاء الیہود من الحجاز

بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے تو ان کے رئیس اعظم حُیَی بن اخطبؓ، ابورافع، سلامؓ بن ابی الحُقَیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں ریاست عام حاصل کرلی، جنگ احزابؓ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ تھی، قبائل عرب میں دورہ کرکے تمام ملک میں آگ لگادی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس وقت تک قریظہؓ معاہدہ پر قائم تھے لیکن حُیَی بن اخطبؓ نے ان کو بہکا کر توڑ لیا اور ان سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش دست بردار ہوکر چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر یہیں رہوں گا، چنانچہ اس نے وعدہ وفا کیا، قریظہؓ نے احزابؓ میں علانیہ شرکت کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے، تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیّیؓ بن اخطب کو ساتھ لائے۔[1] اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کوئی آخری فیصلہ کیا جائے، آنحضرت ﷺ نے احزاب سے فارغ ہوکر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہؓ کی طرف بڑھیں۔[2] قریظہؓ اگر صلح وآشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن ہوجاتا لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے، فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہونچے تو انہوں نے علانیہ آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیں، غرض ان کا محاصرہ کر لیا گیا اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا، بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔

[1] سیرۃ النبی ۱۔ ۴۴۳ بحوالہ طبری وسیرۃ ابن ہشام

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب رجع النبی ﷺ من الاحزاب

حضرت سعد بن معاذؓ اوران کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا اورعرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔ [۱]

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا، آنحضرت ﷺ توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل قبلہ، نماز، رجم، قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی، آنحضرت ﷺ نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی، سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں بچے قید ہوں، مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے [۲] توراۃ کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰، آیت ۱۰ میں ہے:

"جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے، اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہوجائیں گے، لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردے، باقی عورتیں، بچے، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔ [۳]

---

[۱] حضرت سعدؓ کی تحکیم کا ذکر بخاری میں موجود ہے، کتاب المغازی، باب رجع النبی من الاحزاب۔

[۲] صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب جواز قتال فی نقض العہد

[۳] سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی ۱۔ ۴۳۵، بحوالہ توراۃ

احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعدؓ نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے آسمانی فیصلہ کیا[1] یہ توراۃ کے اسی حکم کی طرف اشارہ تھا، یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے ان کی زبان سے نکلے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے۔

حُیی بن اخطب جو اِن تمام فتن کا بانی تھا، مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت ﷺ کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے:

﴿أَمَا وَاللّٰهِ مَالُمْتُ نَفْسِيْ فِي عَدَاوَتِكَ وَلٰكِنَّهُ مَنْ يَّخْذُلُ اللّٰهَ يَخْذُلُ﴾

''ہاں خدا کی قسم مجھ کو اس کا افسوس نہیں ہے کہ میں نے تیری (آپ ﷺ کی) عداوت کی، لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔''

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

﴿أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَمْرِ اللّٰهِ كِتَابٌ وَقَدْرٌ وَمَلْحَمَةٌ كَتَبَهَا اللّٰهُ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾[2]

''لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ ایک حکم الٰہی تھا جو لکھا ہوا تھا، یہ ایک سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔''

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب رجع النبی ﷺ من الاحزاب [2] سیرۃ ابن ہشام ۲۔۲۴۱

حُیَی بن اخطبؔ کی یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبرؔ جارہا تھا تو اس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دیگا، اس معاہدہ پر اس نے خدا کو ضامن کیا تھا، لیکن احزابؔ میں اس نے اس معاہدہ کی جس طرح پر تعمیل کی اس کا حال ابھی گذر چکا۔

سریۂ نجد اور حضرت ثُمامہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

نبی ﷺ نے کچھ سوار نجد کی جانب روانہ فرمائے تھے، وہ واپس ہوتے ہوئے ثُمامہؔ بن اثال کو گرفتار کر لائے تھے، فوج والوں نے انہیں مسجد نبویؐ کے ستون سے لا باندھا تھا، نبی ﷺ نے وہاں تشریف لا کر دریافت کیا کہ ثمامہؔ کیا حال ہے؟ ثمامہ نے کہا محمد (ﷺ) میرا حال اچھا ہے، اگر آپ میرے قتل کئے جانے کا حکم دیں تو یہ حکم ایک خونی کے حق میں ہوگا اور اگر آپ انعام فرمائیں گے تو ایک شکر گذار پر رحمت کریں گے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہئے بتا دیجئے۔

دوسرے روز نبی ﷺ نے ثمامہؔ سے پھر وہی سوال کیا، ثمامہ نے کہا میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ احسان فرمائیں گے تو ایک شکر گذار شخص پر فرمائیں گے۔

تیسرے روز نبی ﷺ نے پھر ثمامہؔ سے وہی سوال کیا، اس نے کہا میں اپنا جواب دے چکا ہوں، نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہؔ کو چھوڑ دو، ثمامہؔ رہائی

پاکر کھجور کے ایک باغ میں گئے جو مسجد نبویؐ کے قریب ہی تھا وہاں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد نبویؐ میں لوٹ کر آ گئے اور آتے ہی کلمہ پڑھ لیا۔

ثمامہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے خدا کی کہ سارے عالم میں آپ سے زیادہ اور کسی شخص سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن اب تو آپ ﷺ ہی مجھے دنیا میں سب سے بڑھ کر پیارے معلوم ہوتے ہیں۔

بخدا آپ کے شہر سے مجھے نہایت نفرت تھی مگر آج تو وہ مجھے سب مقامات سے پسندیدہ نظر آتا ہے، بخدا آپ کے دین سے بڑھ کر مجھے اور کسی دین سے بغض نہ تھا لیکن آج تو آپ ہی کا دین مجھے محبوب تر ہو گیا ہے۔

ثمامہؓ نے یہ بھی عرض کیا کہ میں اپنے وطن سے مکّہ کو عمرہ کے لئے جا رہا تھا، راستہ میں گرفتار کر لیا گیا تھا، اب عمرہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے، نبی ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی بشارت دی اور عمرہ کرنے کی اجازت فرمائی۔

حضرت ثمامہؓ مکّہ پہونچے تو وہاں کے ایک شخص نے پوچھا کہو تم صابی بن گئے؟ حضرت ثمامہؓ نے کہا نہیں! میں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں اور اسلام قبول کیا ہے اور اب یاد رکھنا کہ ملک یمامہ سے تمہارے پاس ایک دانۂ گندم بھی نہیں آئے گا جب تک نبی ﷺ کی اجازت نہ ہوگی۔[1]

حضرت ثمامہؓ نے اپنے ملک پہونچتے ہی مکّہ کی طرف آنے والا اناج

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب ربط الاسیر وحبسہ، صحیح بخاری میں اختصار کے ساتھ روایت منقول ہے

بند کردیا، غلّہ کی آمد کے رُک جانے سے اہلِ مکّہ بلبلا اٹھے اور آخر نبی ﷺ ہی سے التجا کرنی پڑی، نبی ﷺ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ غلّہ بدستور جانے دیں [1] (ان دنوں اہلِ مکّہ نبی ﷺ کے جانی دشمن تھے) اس قصہ سے نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے کیونکر ایک شخص کی جان بخشی فرمائی جو خود بھی اپنے آپ کو واجب القتل سمجھتا تھا اور نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کے پاکیزہ حالات اور اخلاق کا کیسا اثر لوگوں پر پڑتا تھا کہ ثمامہ جیسا شخص جو اسلام اور مدینہ اور آنحضرت ﷺ سے سخت نفرت وعداوت رکھتا تھا، تین روز کے بعد بخوشی خود مسلمان ہو گیا تھا، بلکہ نبی ﷺ کی نیکی اور طینت کی پاکی اور رحم دلی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ مکّہ کے جن کافروں نے آنحضرت ﷺ کو مکّہ سے نکالا تھا اور بدر، اُحد، خندق میں اب تک نبی ﷺ اور مسلمانوں کے تباہ و برباد کرنے کے لئے ساری طاقت صرف کر چکے تھے، ان کے لئے رحمۃ للعالمین یہ پسند نہیں فرماتے کہ ان کا غلّہ روک دیا جائے اور ان کو تنگ و ذلیل کر کے اپنا فرماں بردار بنایا جائے۔

صلح حُدیبیہ

۶ھ میں نبی ﷺ نے اپنا ایک خواب مسلمانوں کو سنایا، فرمایا کہ میں نے دیکھا گویا میں اور مسلمان مکّہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، اس خواب کے سننے سے غریب الوطن مسلمانوں کو اس شوق نے جو بیت اللہ کے

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۔۸۰

طواف کا ان کے دل میں تھا، بے چین کر دیا اور انہوں نے اسی سال نبی ﷺ کو سفرِ مکّہ کے لئے آمادہ کرلیا۔ [۱]

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے، ۱۴۰۰/۱ اشخاص اس سفر میں ہمرکاب ہوئے، مقام ذوالحُلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتداء کی، رسمیں ادا ہوگئیں یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، ان کی گردنوں پر قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگادیئے گئے۔ [۲]

احتیاط کے لئے قبیلۂ خُزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا، پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے، جب قافلہ عُسفان کے قریب پہنچا اس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہہ دیا ہے کہ محمد (ﷺ) مکّہ میں کبھی نہیں آسکتے۔ [۳]

غرض قریش نے بڑے زور وشور سے مقابلہ کی تیاری کی، قبائلِ متحدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ جمعیتِ عظیم لے کر آئیں، مکّہ سے باہر بَلدَح کے مقام پر فوجیں فراہم ہوئیں، خالد بن ولید جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے، دو سو سوار لے کر جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غُمَیم تک پہنچ گئے جو رابغ اور جُحفہ کے درمیان ہے۔ [۴]

---

[۱] سیرۃ حلبیہ ۲۔ ۶۸۸

[۲] و [۳] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ

[۴] سیرۃ النبیؐ ۱۔ ۴۴۹

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قریش نے خالدؔ بن ولید کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آگئے ہیں اس لئے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوجِ اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی تو خالدؔ کو گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکرِ اسلام غمیم تک آ گیا۔

آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور حدیبیہؔ میں پہنچ کر قیام کیا، یہاں پانی کی قلت تھی، ایک کنواں تھا وہ پہلی ہی آمد میں خالی ہو گیا لیکن اعجاز نبویؐ سے اس میں اس قدر پانی آ گیا کہ سب سیراب ہو گئے۔[1]

قبیلۂ خزاعہؔ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور راز دار تھے، قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا کرتے تھے، اس قبیلہ کے رئیس اعظم بُدَیل بن ورقاء تھے (فتح مکہ میں اسلام لائے) ان کو آنحضرت ﷺ کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے، وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قریش سے جا کر کہہ دو کہ "ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں لڑنا مقصود نہیں، جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچا ہے، ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لئے معاہدۂ صلح کر لیں اور مجھ کو عربؔ کے ہاتھ میں چھوڑ دیں، اس پر بھی وہ اگر راضی نہیں تو

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ

اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔"

بُدیلؓ نے جا کر قریش سے سے کہا کہ "میں محمد (ﷺ) کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں اجازت دو تو کہہ دوں" چند شریر بول اٹھے کہ ہم کو محمد (ﷺ) کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں، لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی، بدیلؓ نے آنحضرت ﷺ کی شرطیں پیش کیں، عُروہؓ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا کیوں قریش! کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں؟ بولے ہاں! عروہؓ نے کہا میری نسبت تم کو بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا "نہیں" عروہؓ نے کہا "اچھا تم مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کروں، محمد (ﷺ) نے معقول شرطیں پیش کی ہیں" غرض آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، قریش کا پیغام سنایا اور کہا محمد (ﷺ) فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو برباد کر دیا ہو، اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی، حضرت ابو بکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کیا ہم محمد ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا یہ کون ہیں؟........ آپ ﷺ نے فرمایا "ابو بکر" عروہؓ نے کہا میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن ان کا احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلہ میں ابھی تک ادا نہیں کر سکا۔[1]

---

[1] پوری روایت صحیح بخاری میں موجود ہے، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

عُروہ آنحضرت ﷺ سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کررہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے ہیں، وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا، مغیرہ بن شعبہؓ جو ہتھیار لگائے آنحضرت ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے، عروہ سے کہا ''اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا'' عروہ نے مغیرہ کو پہچانا اور کہا: او دغاباز! کیا میں تیری دغابازی کے معاملہ میں تیرا کام نہیں کر رہا ہوں، (مغیرہ نے چند آدمی قتل کر دیئے تھے جن کا خون بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا)[1]

عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجب اثر کیا، قریش سے جا کر کہا کہ ''میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی، محمد (ﷺ) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔''[2]

چونکہ یہ معاملہ ناتمام رہ گیا، آنحضرت ﷺ نے خراشؓ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا، لیکن قریش نے ان کی سواری کا اونٹ جو خاص رسول اللہ

---

[1] و [2] صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

ﷺ کی سواری کا تھا مار ڈالا اور خود ان پر بھی یہی گزرنے والی تھی، لیکن قبائل متحدہ کے لوگوں نے بچالیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے۔ [1]

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے، گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمتِ عالم ﷺ کا دامنِ عفو اس سے زیادہ وسیع تھا آپ ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دیدی [2] قرآن مجید کی اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ. ﴾ (سورۃ الفتح)

''وہ وہی خدا ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کا ہاتھ تم سے
اور تمھارا ہاتھ ان سے روک دیا بعد اس کے کہ تم کو ان پر
قابو دیدیا تھا۔''

بیعتِ رضوان

بالآخر آپ ﷺ نے گفتگوئے صلح کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو انتخاب کیا لیکن انھوں نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں کہ مجھ کو بچا سکے، آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت میں مکہ گئے اور آنحضرت

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۳۱۴، مسند احمد ۴۔۳۲۴

[2] صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

ﷺ کا پیغام سنایا، قریش نے ان کو نظر بند کرلیا لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔[1] یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے'' یہ کہہ کر آپ ﷺ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی، تمام صحابہؓ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دستِ مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا مہتم بالشان واقعہ ہے، اس بیعت کا نام ''بیعۃ الرضوان'' ہے، سورہ فتح میں اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤمِنِیْنَ اِذْیُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْھِمْ وَ اَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا.﴾

''خدا مسلمانوں سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں تھا تو خدا نے ان پر تسلی نازل کی اور عاجلانہ فتح دی۔''

لیکن بعد کو معلوم ہوا وہ خبر صحیح نہ تھی۔[2]

معاہدہ و صلح نامہ

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر

---

[1] مسند احمد ۴۔ ۳۲۴، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۳۱۴، ۳۱۵

[2] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۳۱۵، ۳۱۶، اجمالاً بیعت کا تذکرہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی موجود ہے

تھے، چنانچہ ان کو لوگوں نے ''خطیبِ قریش'' کا خطاب دیا تھا[1] قریش نے ان سے کہہ دیا کہ صلح صرف اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ محمد (ﷺ) اس سال واپس چلے جائیں۔

سہیل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی، بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کریں، حضرت علیؓ نے عنوان پر ﴿بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم﴾ لکھا، عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتداء میں ﴿بِاسمِکَ اللّٰھُمَّ﴾ لکھتے تھے۔

﴿بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم﴾ سے وہ نا آشنا تھے، اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ ﴿بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم﴾ کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں، آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا، آگے کا فقرہ تھا ﴿ھٰذا ما قاضیٰ علیہ محمدٌ رسولُ اللّٰہ﴾ یعنی ''یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تسلیم کیا'' سہیل نے کہا ''اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں، یہ کہہ کر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو، حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرمان گذار ہوسکتا تھا، لیکن عالم محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں

---

[1] زرقانی ۲۔ ۲۲۳

جہاں فرمانبرداری سے انکار کرنا پڑتا ہے، حضرت علیؓ نے کہا میں ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا، آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے؟ حضرت علیؓ نے اس جگہ انگلی رکھ دی، آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔

شرائطِ صلح یہ تھے:

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا وغیرہ) میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔[۱]

مسلمانوں کی آزمائش

یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں، اتفاق یہ کہ عین اس

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیہ

وقت جبکہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا سہیل کے صاحبزادے (ابو جندل) جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ میں کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے، سہیل نے کہا ''محمد (ﷺ) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، اس (ابو جندل) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دے دو'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ابھی معاہدہ قلمبند نہیں ہو چکا'' سہیل نے کہا ''تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کہ اچھا ان کو یہیں رہنے دو'' سہیل نے نامنظور کیا، آپ ﷺ نے چند دفعہ اصرار سے کہا، لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا، مجبوراً آنحضرت ﷺ کو تسلیم کرنا پڑا، ابو جندل کو کافروں نے اس قدر مارا تھا کہ ان کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا برادرانِ اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟ میں اسلام لا چکا ہوں، کیا پھر مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو؟ تمام مسلمان تڑپ اٹھے، حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ! کیا آپؐ پیغمبرِ برحق نہیں ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''ہاں ہوں'' حضرت عمرؓ نے کہا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ہاں ہم حق پر ہیں'' حضرت عمرؓ نے کہا: تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، خدا میری مدد کرے گا'' حضرت عمرؓ نے کہا: کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے؟ آپ

ﷺ نے فرمایا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے، حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا وہ پیغمبر خدا ہیں، جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ [۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری میں ان سے سرزد ہوئیں تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے، بخاری شریف میں اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ باتیں گنائی ہیں۔ [۲]

اس حالت کا گوارا کرنا صحابی کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا، ایک طرف اسلام کی توہین ہے، ابو جندلؓ بیڑیاں پہنے چودہ سو جاں نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں، سب کے دل جوش سے لبریز ہیں، اور اگر رسول اللہ ﷺ کا ذرا ایماء ہو جائے تو تلوار فیصلۂ قاطع کے لئے موجود ہے، دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے، رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

﴿يَا أَبَا جُنْدَل اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ، فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فَرَجاً وَّ مَخْرَجاً، اِنَّا قَدْ عَقَدْنَا صُلْحاً وَ اِنَّا لَا نَغْدِرُ بِهِمْ.﴾ [۳]

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد [۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ وکتاب الشروط فی الجہاد، ابن ہشام ۲۔ ۳۱۷ [۳] مسند احمد ۴۔ ۳۲۵، ابن ہشام ۲۔ ۳۱۸

''ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے اور مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا، صلح اب ہو چکی ہے اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔''

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک کہ جیسا صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا[1] آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا ''آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتروانے کے لئے بال منڈوائیں'' آپ ﷺ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔[2]

بصورت ناکامی بحقیقت کامیابی

صلح کے بعد تین دن تک آپ ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ اتری:

﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا﴾ ''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔''

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اس کو فتح کہا،

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ

[2] صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا یہ آیت نازل ہوئی ہے، انہوں نے تعجب سے پوچھا: کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ "ہاں" صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے [1] نتائج مابعد نے اس رازِ سربستہ کی عُقدہ کشائی کی۔

اب تک مسلمان اور کافر باہم ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے، باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا، اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسنِ عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا، جو مسلمان مکّہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچتے آتے [2] مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدۂ صلح سے لیکر فتحِ مکّہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے [3] حضرت خالدؓ (فاتحِ شام) اور عمروؓ بن عاص (فاتحِ مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔ [4]

معاہدۂ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مدینہ چلا آئے گا وہ پھر مکّہ کو واپس کر دیا جائے گا، اس میں صرف مرد داخل تھے، عورتیں نہ تھیں، عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری: [5]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیہ، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الفتح

[2] زاد المعاد ۳۔ ۳۰۹ [3] دلائل النبوۃ ۴۔۱۶۰ [4] سیرۃ النبی ۱۔۴۵۹

[5] صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ، اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ، فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ، لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ، وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا، وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ، وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ.﴾

(سورة ممتحنة آیت ۱۰)

''مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو، خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر ان عورتوں کے قابل ہیں اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ ان کو دیدو، اور تم ان سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو، اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔''

جو مسلمان مکّہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، سب سے پہلے عُتبہؓ بن اسید (ابو بصیرؓ) بھاگ کر مدینہ آئے......آنحضرت ﷺ نے عتبہؓ سے فرمایا کہ واپس جاؤ، عتبہؓ نے عرض کی کہ کیا آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ جو مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا اس کی تدبیر نکالے گا'' عتبہؓ

مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے، لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، دوسرا شخص جو بچ رہا اس نے مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی، ساتھ ہی ابو بصیرؓ پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا، اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے ذومرہ کے پاس ہے رہنا اختیار کیا، مکّہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب علم ہوا کہ جان بچانے کا ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے، تو چوری چھپے بھاگ کر یہاں آنے لگے، چند روز بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا اس کو روک لیتے تھے، ان حملوں میں جو مال غنیمت مل جاتا تھا وہ ان کی معاش کا سہارا تھا۔

قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں، اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اس سے تعرض نہ کریں گے، آپ ﷺ نے آوارہ وطن لوگوں کو لکھ بھیجا کہ یہاں چلے آؤ، چنانچہ ابو جندلؓ اور ان کے ساتھی مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔[1]

مستورات میں سے ام کلثومؓ جو رئیس مکّہ (عقبہ بن ابی معیط) کی بیٹی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں، مدینہ ہجرت کر کے آئیں، لیکن ان کے ساتھ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے اور آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو واپس دیدیجئے آپ ﷺ نے منظور نہیں فرمایا۔[۱] صحابہ میں سے جن لوگوں کی ازواج مکہ میں رہ گئی تھیں اور اب تک کافرہ تھیں صحابہؓ نے ان کو طلاق دیدی۔[۲]

حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے، لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی، اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے جو امن درکار تھا وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا تھا، اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے، قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے، جاہلیت میں رسالہ کی افسری انھیں کے سپرد تھی، احد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤں انہی کی کوششوں سے سنبھلے تھے، حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا، لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملۂ کاری سے بچ نہ سکا۔[۳]

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا، راستہ میں حضرت عمرو بن العاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہوں، آخر کب تک؟ عمرو بن العاص نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے، دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔[۵]

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ

[۲] صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد

[۳] سیرۃ النبی ۱۔ ۴۷۳ [۵] الاصابہ ۱۔ ۴۱۸

اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا، اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا۔

فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گذرے، آپ ﷺ نے پوچھا کون؟ لوگوں نے کہا، خالدؓ ہیں، آپ نے فرمایا خدا کی تلوار ہے۔ [۱]

غزوۂ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ، زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے۔

عہد خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا (عمرو بن العاصؓ) مصر کا فاتح ہوا۔ [۲]

سلاطین و امراء کو دعوت اسلام

۷ھ کے ماہ محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ نبی ﷺ نے بادشاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط مبارک اپنے سفیروں کے ہاتھ روانہ فرمائے، جو سفیر جس قوم کے پاس بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان جانتا تھا تاکہ تبلیغ بخوبی کر سکے۔ [۳]

اب تک نبی ﷺ نے کوئی مہر نہ بنائی تھی جب شاہان عالم کے خطوط لکھے گئے تو ان پر مہر کرنے کے لئے خاتم تیار کی گئی، یہ چاندی کی تھی، تین سطور

---

۱ سنن ترمذی ابواب المناقب

۲ سیرۃ النبی ۱۔ ۴۷۴ ۳ طبقات ابن سعد ۲۔ ۲۳

میں یہ عبارت کندہ تھی۔[۱]

ان خطوط کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خط عیسائی بادشاہوں کے نام تھے ان میں خصوصیت سے یہ آیت شریفہ بھی تھی:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ أَنْ لَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئاً وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران، رکوع ۷)

''اے اہل کتاب آؤ ایسی بات پر اتفاق کریں جو ہمارے تمھارے دین میں مساوی ہے یعنی خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھرائیں اور خدا کے سوا خدائی کا درجہ ہم اپنے جیسے انسانوں کیلئے تجویز نہ کریں۔''

اب ہم مختصر طور پر ان سفارتوں کا حال درج کرتے ہیں

نامۂ مبارک بنام نجاشی شاہ حبشہ

اصحم بن ابجر بادشاہ حبش الملقب بہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ الضمری آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر گئے تھے، یہ بادشاہ عیسائی تھا۔[۲]

[۱] صحیح البخاری کتاب اللباس، باب خاتم فی الخنصر [۲] زاد المعاد ۳۔ ۶۸۹

تاریخ طبری سے نامہ مبارک کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے، تجھے سلامتی ہو، میں پہلے اللہ کی ستائش کرتا ہوں جو ملک، قدوس، سلام، مومن اور مہیمن ہے، اور ظاہر کرتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریمؑ اللہ کی مخلوق اور اس کا حکم ہیں، جو مریمؑ بتول طیبہ عفیفہ کی جانب بھیجا گیا اور انہیں عیسیٰؑ کا اس سے حمل ٹھہر گیا، خدا نے عیسیٰؑ کو اپنی روح اور نفخ سے اس طرح پیدا کیا جیسا کہ آدمؑ کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا تھا، اب میری دعوت یہ ہے کہ تو خدا پر جو اکیلا اور لاشریک ہے، ایمان لے آ، اور ہمیشہ اس کی فرماں برداری میں رہا کر اور میرا اتباع کر اور میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کر، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

میں قبل اس کے اس ملک میں اپنے چچیرے بھائی جعفرؓ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج چکا ہوں، تم اسے بآرام ٹھہرالینا، نجاشی! تم تکبّر چھوڑ دو کیونکہ میں تم کو اور تمہارے دربار کو خدا کی طرف بلاتا ہوں، دیکھو میں نے اللہ کا حکم پہنچادیا اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا، اب مناسب ہے کہ میری

نصیحت مان لو، سلام اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے۔"[1]

نجاشی اس فرمانِ مبارک پر مسلمان ہوگیا، اور جواب میں یہ عریضہ تحریر کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے، اے نبی اللہ کے، آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمت، اور برکتیں ہوں، اسی خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی ہے، اب عرض یہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان میرے پاس پہنچا، عیسیٰ کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے، بخدائے زمین و آسمان وہ اس سے ذرہ برابر بھی بڑھ کر نہیں، ان کی حیثیت اتنی ہی ہے جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، ہم نے آپ کی تعلیم سیکھ لی ہے اور آپ کا چچیرا بھائی اور مسلمان میرے پاس آرام سے ہیں، اور میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، سچے ہیں اور راست بازوں کی سچائی ظاہر کرنے والے ہیں، میں آپ سے بیعت کرتا ہوں، میں نے آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر بیعت اور اللہ کی فرمانبرداری کا اقرار کرلیا

---

[1] تاریخ طبری ۲۔ ۱۳۱، ۱۳۲، زادالمعاد ۳۔ ۶۸۹

ہے، اور میں حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے فرزند ارہا کو روانہ کرتا ہوں، میں تو اپنے ہی نفس کا مالک ہوں اگر حضور ﷺ کا منشاء ہوگا کہ میں حاضر خدمت ہو جاؤں تو ضرور حاضر ہو جاؤں گا، کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ حضور ﷺ جو فرماتے ہیں وہی حق ہے، اے خدا کے رسول سلام آپ پر۔'' [۱]

بنام شاہ بحرین

(۲) منذر بن ساویٰ شاہِ بحرین تھا، شہنشاہ فارس کا خراج گذار تھا، علاء بن الحضرمیؓ اس کے پاس نامۂ مبارک لے کر گئے تھے، یہ مسلمان ہو گیا اور اس کی رعایا کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہوا، اس نے جواب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لکھا تھا کہ بعض لوگوں نے تو اسلام کو از حد پسند کیا ہے، بعض نے کراہت کا اظہار کیا ہے، بعض نے مخالفت کی ہے، میرے علاقہ میں یہودی اور مجوسی بہت ہیں، ان کے لئے جو ارشاد ہو کیا جائے، نبی ﷺ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا:

﴿وَ مَنْ يَنْصَحْ فَلِنَفْسِهِ، وَمَنْ أَقَامَ عَلىٰ يَهُوْدِيَّةٍ أَوْ مَجُوْسِيَّةٍ فَعَلَيْهِ الْجِزْيَةَ﴾

---

[۱] تاریخ طبری ۲۔ ۲۳۲، زاد المعاد ۳۔۶۹۰ نجاشی اور قیصر و کسریٰ کو فرمان مبارک ارسال کرنے کا ذکر اجمالاً صحیح مسلم میں موجود ہے، کتاب الجهاد والسير، باب کتب النبیؐ

"جو نصیحت کرتا ہے وہ اپنے لئے، اور جو یہودیت یا مجوسیت
پر قائم رہے وہ جزیہ (خراج رعیتانہ) دیا کرے۔"[۱]

بنام شاہ عمّان

(۴) جَیْفَر وعَبْد فرزندانِ جُلَندی ملک عمّان کے نام عمرو بن العاصؓ کے بدست خط بھیجا گیا، عمرو کا قول ہے کہ جب میں عمان پہنچا تو پہلے عبد کو ملا، یہ سردار تھا اور اپنے بھائی کی نسبت زیادہ نرم وخوش خلق تھا، میں نے اسے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا سفیر ہوں اور تمہارے پاس اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں۔

عبد بولا میرا بھائی عمر میں مجھ سے بڑا اور ملک کا مالک ہے میں تمہیں اس کی خدمت میں پہنچادوں گا مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟

عمرو بن العاصؓ نے کہا اکیلے خدا کی طرف جس کا کوئی شریک نہیں نیز اس شہادت کی طرف کہ محمد ﷺ خدا کے بندے اور (اس) کے رسول ہیں۔

عبد نے کہا عمرو تو سردار قوم کا بیٹا ہے، بتا تیرے باپ نے کیا کیا، کیونکہ ہم اسے نمونہ بنا سکتے ہیں؟

عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا وہ مر گیا، نبی ﷺ پر ایمان نہ لایا تھا، کاش وہ ایمان لاتا اور آنحضرت ﷺ کی راست بازی کا اقرار کرتا، میں بھی اپنے باپ کی رائے پر تھا حتیٰ کہ خدا نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی۔

---

[۱] زادالمعاد ۳۔ ۶۹۳، عیون الاثر ۲۔ ۲۶۶

عبدؔ: تم کب سے محمد (ﷺ) کے پیرو ہو گئے ہو؟

عمرو بن العاصؓ: ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔

عبدؔ: کہاں؟

عمرو بن العاصؓ: نجاشی کے دربار میں، اور نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔

عبدؔ: وہاں کی رعایا نے نجاشی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

عمرو بن العاصؓ: اسے بدستور بادشاہ رہنے دیا اور انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

عبدؔ: (تعجب سے) کیا بشپ پادریوں نے بھی؟

عمرو بن العاصؓ: ہاں!

عبدؔ: دیکھو عمروؔ کیا کہہ رہے ہو، انسان کے لئے کوئی چیز بھی جھوٹ سے بڑھ کر ذلت بخش نہیں۔

عمرو بن العاصؓ: میں نے جھوٹ نہیں کہا اور اسلام میں جھوٹ بولنا جائز بھی نہیں۔

عبدؔ: ہرقل نے کیا کیا، کیا اسے نجاشی کے اسلام لانے کا حال معلوم ہے؟

عمرو بن العاصؓ: ہاں!

عبدؔ: تم کیونکر ایسا کہہ سکتے ہو؟

عمرو بن العاصؓ: نجاشی ہرقل کو خراج دیا کرتا تھا، جب سے مسلمان

ہوا کہہ دیا ہے کہ اب اگر وہ ایک درہم بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔

ہرقل تک یہ بات پہنچ گئی، ہرقل کے بھائی یَنّاق نے کہا یہ نجاشی حضور کا ادنیٰ غلام اب خراج دینے سے انکار کرتا ہے اور حضور کے دین کو بھی اس نے چھوڑ دیا ہے، ہرقل نے کہا پھر کیا ہوا اس نے اپنے لئے ایک مذہب پسند کرلیا اور قبول کرلیا، میں کیا کروں؟ بخدا اگر اس شہنشاہی کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے۔

عبد: دیکھو عمرو! کیا کہہ رہے ہو؟

عمرو بن العاصؓ: قسم ہے خدا کی سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد: اچھا بتاؤ وہ کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اور کن چیزوں سے منع کرتے ہیں۔

عمرو بن العاصؓ: وہ اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور معصیتِ الٰہی سے روکتے ہیں، وہ زنا، شراب کے استعمال سے اور پتھروں، بتوں اور صلیب کی پرستش سے منع فرماتے ہیں۔

عبد: کیسے اچھے احکام ہیں جن کی وہ دعوت دیتے ہیں، کاش میرا بھائی میری رائے قبول کرے، ہم دونوں محمد ﷺ کی خدمت میں جا کر ایمان لائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرے بھائی نے اس پیغام کو رد کیا اور دنیا ہی کا راغب رہا تو وہ اپنے ملک کے لئے بھی سراپا نقصان ثابت ہوگا۔

عمرو بن العاصؓ: اگر وہ اسلام قبول کرے گا تو نبی ﷺ اسی کو اس ملک کا بادشاہ تسلیم فرمالیں گے، وہ صرف اتنا کریں گے کہ یہاں صدقہ وصول کر کے یہاں کے غرباء کو تقسیم کرادیا کریں گے۔

عبدؔ: یہ تو اچھی بات ہے مگر صدقہ سے کیا مراد ہے؟

عمرو بن العاصؓ نے زکوٰۃ کے مسائل بتائے، جب یہ بتایا کہ اونٹ میں بھی زکوٰۃ ہے، تو عبد بولا: کیا وہ ہمارے مواشی میں سے بھی صدقہ دینے کو کہیں گے؟ وہ تو خود ہی درختوں کے پتوں سے پیٹ بھر لیتا اور خود ہی پانی پیتا ہے۔

عمرو بن العاصؓ نے کہا، ہاں! اونٹوں سے صدقہ لیا جاتا ہے۔

عبدؔ: میں نہیں جانتا کہ میری قوم کے لوگ جو تعداد میں زیادہ ہیں اور دور دور تک بکھرے پڑے ہیں وہ اس حکم کو مان لیں گے۔

الغرض عمرو بن العاصؓ وہاں چند روز ٹھہرے، عبد روز روز کی باتیں اپنے بھائی کو پہنچایا کرتا تھا، ایک روز عمرو بن العاصؓ کو بادشاہ نے طلب کیا، چوبداروں نے دونوں جانب سے بازو تھام کر انھیں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا، بادشاہ نے فرمایا انھیں چھوڑ دو، چوبداروں نے چھوڑ دیا، یہ بیٹھنے لگے، چوبداروں نے پھر ٹوکا، انھوں نے بادشاہ کی طرف دیکھا، بادشاہ نے کہا، بولو تمہارا کیا کام ہے؟

عمرو بن العاصؓ نے خط دیا جس پر مہر ثبت تھی۔

جیفرؔ نے مہر توڑ کر خط کھولا، پڑھا، پھر بھائی کو دیا، اس نے بھی پڑھا، اور عمرو بن العاصؓ نے دیکھا کہ بھائی زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا کہ قریش کا کیا حال ہے؟

عمرو بن العاصؓ نے کہا: سب نے طوعاً وکرہاً ان کی اطاعت اختیار کرلی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا کہ ان کے ساتھ رہنے والے کون لوگ ہیں؟

عمرو بن العاصؓ: جنھوں نے اسلام کو برضا ورغبت قبول کیا، سب کچھ چھوڑ کر نبی ﷺ کو اختیار کرلیا ہے اور پوری فکر اور غور اور عقل و تجربہ سے نبی ﷺ کی جانچ کرلی ہے، بادشاہ نے کہا اچھا تم کل پھر ملنا، عمرو بن العاصؓ دوسرے روز بادشاہ کے بھائی سے پھر ملے، وہ بولا کہ اگر ہماری حکومت کو صدمہ نہ پہنچے تو بادشاہ مسلمان ہوجائیگا۔

عمرو بن العاصؓ پھر بادشاہ سے ملے۔

بادشاہ نے کہا، میں نے اس معاملہ میں غور کیا، دیکھو اگر میں ایسے شخص کی اطاعت اختیار کرتا ہوں جس کی فوج ہمارے ملک تک نہیں پہونچی تو میں سارے عرب میں کمزور سمجھا جاؤنگا، حالانکہ اگر ان کی فوج اس ملک میں آئے تو میں ایسی سخت لڑائی لڑوں کہ تمھیں کبھی سابقہ نہ ہوا ہو۔

عمرو بن العاصؓ نے کہا بہتر میں کل واپس چلا جاؤنگا۔

بادشاہ نے کہا نہیں! کل تک ٹھہرو۔

دوسرے دن بادشاہ نے انہیں آدمی بھیج کر بلایا اور دونوں بھائی مسلمان ہوگئے اور رعایا کا اکثر حصہ بھی اسلام لے آیا۔[1]

---

[1] زاد المعاد ۳۔۶۹۳ تا ۶۹۶، نصب الرایۃ ۴۔۴۲۳،۴۲۴، عیون الاثر ۲۔ ۲۶۷ تا ۲۶۹

بنام حاکم دمشق وحاکم یمامہ

(۴) منذر بن حارث بن ابوشمر دمشق کا حاکم اور شام کا گورنر تھا، شجاع بن وہب الاسدی اس کے پاس بطور سفارت بھیجے گئے، یہ خط پڑھ کر بہت بگڑا، کہامیں خود مدینہ پر حملہ کرونگا بالآخر سفیر کو باعزاز رخصت کیا مگر مسلمان نہ ہوا۔[۱]

(۵) ہوذہ بن علی حاکم یمامہ عیسائی المذہب تھا، سلیط بن عمروؓ نامۂ مبارک اس کے پاس لے گئے تھے، اس نے کہا کہ اگر اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کر لی جائے تو مسلمان ہو جاؤں گا، ہوذہ اس جواب سے تھوڑے دنوں بعد ہلاک ہوگیا۔[۲]

بنام شاہ اسکندریہ

(۶) جریج بن متّیٰ المقلب بہ مقوقس شاہ اسکندریہ ومصر عیسائی المذہب تھا، حاطبؓ بن ابی بلتعہ اس کے پاس سفیر ہو کے گئے تھے، نبی ﷺ نے خط کے آخر میں تحریر فرمادیا تھا کہ اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو تمام مصریوں (اہل قبط) کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ تمہاری گردن پر ہوگا۔

سفیر نے خط پہنچانے کے علاوہ بادشاہ کو ان الفاظ میں سمجھایا تھا:

"صاحب! آپ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص ہو چکا ہے جو

---

[۱] زادالمعاد ۳۔ ۶۹۷ [۲] زادالمعاد ۳۔۶۹۶، عیون الأثر ۲۔ ۲۶۹

﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾ (میں تم لوگوں کا بڑا خدا ہوں) کہا کرتا تھا، اور خدا نے اسے دنیا اور آخرت کی رسوائی دی، جب خدا کا غضب بھڑکا تو وہ ملک وغیرہ کچھ بھی نہ رہا، اس لئے تم دوسروں کو دیکھو اور عبرت پکڑو، یہ نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت لیا کریں۔"

بادشاہ نے کہا ہم خود ایک مذہب رکھتے ہیں، اسے ترک نہیں کریں گے، جب تک اس سے بہتر دین کوئی نہ ملے۔

حضرت حاطبؓ نے کہا، میں آپ کو اس دین کی جانب بلاتا ہوں جو جملہ مذاہب سے کفایت کنندہ ہے۔

نبی ﷺ نے سب ہی کو دعوت اسلام فرمائی ہے، قریش نے مخالفت کی ہے اور یہود نے عداوت کی، لیکن سب میں سے مودّت ومحبت کے ساتھ قریب تر نصاریٰ رہے ہیں، بخدا جس طرح حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ کے لئے بشارت دی، اسی طرح حضرت عیسیٰ نے محمد ﷺ کی بشارت دی ہے، قرآن مجید کی دعوت ہم آپ کو اسی طرح دیتے ہیں جیسے آپ اہل توراۃ کو انجیل کی دعوت دیا کرتے ہیں۔

جس نبی کو جس قوم کا زمانہ ملا وہی قوم اس کی امت سمجھی جاتی ہے، اس لئے آپ پر لازم ہے کہ اس نبی کی اطاعت کریں جس کا عہد آپ کو مل گیا ہے اور یہ سمجھ لیں کہ ہم آپ کو حضرت مسیحؑ کے مذہب ہی کی دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس نے کہا، میں نے اس نبی کے بارے میں غور کیا ہنوز مجھے کوئی

رغبت معلوم نہیں ہوئی اگر چہ وہ کسی مرغوب شئے سے نہیں روکتے ہیں، میں جانتا ہوں کہ وہ ساحر ضرر رساں ہیں، نہ کاہن کاذب، اور ان میں تو نبوت ہی کی علامت پائی جاتی ہے بہر حال میں اس معاملہ میں مزید غور کروں گا۔

پھر آنحضرت ﷺ کے خط کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھوا کر مہر لگوا کر خزانہ میں رکھوا دیا، آنحضرت ﷺ کے لئے تحائف بھیجے اور جوابِ خط میں یہ لکھا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے مگر میں یہ سمجھتا رہا کہ وہ رسول ملک شام میں ہونگے۔

دُلدُل مشہور خچر اسی نے تحفے میں بھیجا تھا۔[۱]

بنام ہرقل شاہ قسطنطنیہ

(۷) ہرقل شاہ قسطنطنیہ یا روما کی مشرقی شاخ سلطنت کا نامور شہنشاہ عیسائی المذہب تھا، حضرت دِحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ اس کے پاس نامۂ مبارک لے کر گئے تھے، یہ بادشاہ سے بیت المقدس کے مقام پر ملے، ہرقل نے سفیر کے اعزاز میں بڑا شاندار دربار کیا اور سفیر سے نبی ﷺ کے متعلق بہت ہی باتیں دریافت کرتا رہا۔

اس کے بعد ہرقل نے مزید تحقیقات کرنا بھی ضروری سمجھا، حکم دیا کہ اگر ملک میں کوئی شخص مکّہ کا آیا ہوا موجود ہو تو پیش کیا جائے۔

اتفاق سے ان دنوں ابوسفیان مع دیگر تاجران مکّہ شام آئے ہوئے

---

[۱] زادالمعاد ۳۔ ۶۹۱، نصب الرایۃ ۴۔ ۴۲۱،۴۲۲، عیون الأثر ۲۔ ۲۶۵،۲۶۶

تھے، انہیں بیت المقدس پہنچایا اور دربار میں پیش کیا گیا، قیصر نے ہمراہی تاجروں سے کہا کہ میں ابوسفیان سے سوال کروں گا اگر یہ کوئی جواب غلط دیں تو مجھے بتا دینا۔

ابوسفیان ان دنوں نبی ﷺ کے جانی دشمن تھے، ان کا اپنا بیان ہے کہ اگر مجھ کو یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھ والے میرا جھوٹ ظاہر کر دیں گے تو میں بہت سی باتیں بناتا مگر اس وقت قیصر کے سامنے مجھے سچ سچ ہی کہنا پڑا۔

سوال و جواب یہ ہیں:۔

قیصر: محمد (ﷺ) کا خاندان اور نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف و عظیم۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا، ''سچ ہے نبی شریف گھرانے کے ہوتے ہیں، تاکہ ان کی اطاعت میں کسی کو عار نہ ہو۔''

قیصر: محمد (ﷺ) سے پہلے بھی کسی نے عرب میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: ''نہیں۔''

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اپنے سے پہلے کی تقلید اور ریس کرتا ہے۔

قیصر: نبی ہونے سے پہلے کیا یہ شخص جھوٹ بولا کرتا تھا، اس کو جھوٹ بولنے کی کبھی تہمت دی گئی تھی؟

ابوسفیان: ''نہیں۔''

ہرقل نے اس جواب پر کہا ''یہ نہیں ہوسکتا کہ جس شخص نے لوگوں پر جھوٹ نہ بولا وہ خدا پر جھوٹ باندھے۔''

قیصر: اس کے باپ دادا میں سے کوئی شخص بادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: ''نہیں۔''

ہرقل نے اس جواب پر کہا ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا نبوت کے بہانے سے باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

قیصر: محمد (ﷺ) کے ماننے والے مسکین غریب لوگ زیادہ ہیں یا سردار اور قوی لوگ؟

ابوسفیان: مسکین اور حقیر لوگ۔

ہرقل نے جواب پر کہا ہر ایک نبی کے پہلے ماننے والے مسکین غریب لوگ ہی ہوتے رہے ہیں۔

قیصر: ان لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟

ابوسفیان: بڑھ رہی ہے۔

ہرقل نے کہا، ایمان کا یہی خاصہ ہے کہ آہستہ آہستہ بڑھتا اور حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

قیصر: کوئی شخص ان کے دین سے بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: ''نہیں۔''

ہرقل نے کہا ''لذت ایمان کی یہی تاثیر ہے کہ جب دل میں بیٹھ جاتی اور روح پر اپنا اثر قائم کر لیتی ہے تب جدا نہیں ہوتی۔''

قیصر: یہ شخص کبھی عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، امسال ہمارا اس سے معاہدہ ہوا ہے دیکھئے کیا انجام ہو؟

ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں صرف اس جواب میں اتنا فقرہ زیادہ کر سکا تھا، مگر قیصر نے اس پر کچھ توجہ نہ کی اور یوں کہا، بیشک نبی عہد شکن نہیں ہوتے، عہد شکنی دنیادار ہی کرتا ہے، نبی دنیا کے طالب نہیں ہوتے۔

قیصر: کبھی اس شخص کے ساتھ تمہاری لڑائی بھی ہوئی؟

ابوسفیان: ''ہاں۔''

قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی وہ غالب رہے (بدر میں) اور کبھی ہم (اُحد میں)۔

ہرقل نے کہا ''خدا کے نبیوں کا یہی حال ہوتا ہے لیکن آخر خدا کی مدد اور فتح ان ہی کو حاصل ہوتی ہے۔''

قیصر: ان کی تعلیم کیا ہے؟

ابوسفیان: ایک خدا کی عبادت کرو، باپ دادا کے طریق (بت پرستی) کو چھوڑ دو، نماز، روزہ، سچائی، پاکدامنی، صلۂ رحم کی پابندی اختیار کرو۔

ہرقل نے کہا ''کہ نبی موعود کی یہی علامتیں ہم کو بتائی گئی ہیں، میں سمجھتا

تھا کہ نبی کا ظہور ہونے والا ہے، لیکن یہ نہ سمجھتا تھا کہ وہ عرب میں سے ہوگا“
ابوسفیان! اگر تم نے سچ سچ جواب دئے ہیں تو وہ ایک روز اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں (شام و بیت المقدس) کا ضرور مالک ہوجائے گا، کاش میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا اور نبی (ﷺ) کے پاؤں دھویا کرتا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھا گیا، اراکینِ دربار اسے سن کر بہت چیخے اور چلائے اور ہم کو دربار سے باہر نکال دیا گیا، ابوسفیان کہتے ہیں کہ میرے دل میں اسی روز سے اپنی ذلتِ نفس اور آنحضرت ﷺ کی آئندہ عظمت کا یقین ہوگیا۔[1]

بنام کسریٰ شاہ ایران

(۸) خسرو پرویز کسریٰ ایران (نصف مشرقی دنیا) کا شہنشاہ تھا، زردشتی مذہب رکھتا تھا، عبداللہ بن حذافہ اس کے پاس نامۂ مبارک لے گئے تھے، نامہ مبارک کی نقل یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلیٰ کِسْرَیٰ عَظِیْمِ فَارِسَ، سَلَامٌ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدَیٰ وَآمَنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَشَھِدَ أَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،

---

[1] صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب حدثنا ابوالیمان حکیم بن نافع، صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر، باب کتاب النبیؐ الی ہرقل۔

وَأَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ اللّٰهِ فَإِنِّيْ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلیٰ النَّاسِ کَافَّةً لِیُنْذَرَ مَنْ کَانَ حَیّاً وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلیٰ الْکَافِرِیْنَ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، فَإِنْ أَبَیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ.﴾

اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے:۔

''محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بزرگ فارس کے نام،
سلام اس پر جو سیدھے راستہ پر چلتا اور خدا اور اس کے رسول
پر ایمان لاتا اور یہ شہادت ادا کرتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی
عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے، میں
تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول
ہوں، مجھے جملہ نسلِ آدم کی طرف بھیجا گیا ہے تا کہ جو کوئی
زندہ ہے اسے عذابِ الٰہی کا ڈر سنایا جائے اور جو منکر ہیں ان
پر خدا کا قول پورا ہو، تو مسلمان ہو جا سلامت رہیگا، ورنہ
مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔''

خسرو نے دیکھتے ہی خط غصے سے چاک کر ڈالا اور زبان سے کہا میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھ کو خط لکھتا ہے اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے؟

اس نے خسرو باذان کو جو یمن میں اس کا وائسرائے (نائب السلطنت) تھا اور عرب کا تمام ملک اسی کے زیر اقتدار یا زیر اثر سمجھا جاتا تھا، یہ حکم بھیجا کہ اس شخص (نبی ﷺ) کو (معاذ اللہ) گرفتار کر کے میرے پاس روانہ کردو۔

باذانؔ نے ایک فوجی دستہ مامور کیا، فوجی افسر کا نام خُرخسرہؔ تھا، ایک ملکی افسر بھی روانہ کیا جس کا نام بَابُوَیہؔ تھا، بابویہؔ کو یہ ہدایت کی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے حالات پر گہری نظر ڈالے اور آنحضرت ﷺ کو کسریٰ کے پاس پہنچادے، لیکن اگر آپ ساتھ جانے سے انکار کریں واپس آکر رپورٹ کرے۔

جب یہ افسر مدینہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ کل کو پھر حاضر ہوں، دوسرے روز نبی ﷺ نے فرمایا: ''آج رات تمہارے بادشاہ کو خدا نے ہلاک کرڈالا، جاؤ اور تحقیق کرو، افسر یہ خبر سن کریمنؔ کو لوٹ گئے، وہاں وائسرائے کے پاس سرکاری اطلاع آچکی تھی کہ خسرو کو اس کے بیٹے نے قتل کردیا ہے اور تخت کا مالک ''شیرویہ'' ہے جو باپ کا قاتل تھا۔

اب باذانؔ نے نبی ﷺ کے عادات واخلاق اور تعلیم وہدایت کے متعلق کامل تحقیقات کیں اور تحقیقات کے بعد مسلمان ہوگیا، دربار اور ملک کا اکثر حصہ مسلمان ہوگیا۔[1]

جو سفیر نبی ﷺ نے بھیجا تھا اس نے واپس آکر عرض کیا کہ شاہ ایران نے نامۂ مبارک چاک کرڈالا، اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿مَــــزَّق مُلْکَهٗ﴾ (اس نے اپنی قوم کے فرمانِ سلطنت کو چاک کردیا ہے۔) [2]

---

[1] تاریخ طبری ۲۔۱۳۳

[2] صحیح البخاری میں نامۂ مبارک کے چاک کرنے اور آپ کی بددعا کا ذکر ہے، کتاب المغازی، باب کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر۔

ناظرین! اس مختصر اور پُر ہیبت جملہ کو دیکھیں اور سوا چودہ سو برس کی تاریخ عالم میں تلاش کریں کہ کسی جگہ اس قوم کی سلطنت کا نشان ملتا ہے جو اس واقعہ سے پیشتر چار پانچ ہزار برس سے نصف دنیا پر شہنشاہی کرتی تھی اور جس کی فتوحات بارہا یونانؔ و روماؔ کو نیچا دکھا چکی تھیں، ہرگز نہیں۔

غزوۂ خیبر

خیبرؔ مدینہ سے شام کی جانب تین منزل پر ایک مقام کا نام ہے، یہ یہودیوں کی خالص آبادی کا قصبہ تھا، آبادی کے گرداگرد مستحکم قلعے بنے ہوئے تھے۔ [۱]

نبی ﷺ کو سفر حدیبیہؔ سے پہنچے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن (ایک ماہ سے کم) ہوئے تھے کہ سننے میں آیا کہ خیبر کے یہودی پھر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں، انہوں نے قبیلہ بنو غطفانؔ کے چار ہزار جنگجو بہادروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ اگر مدینہ فتح ہوگیا تو پیداوار کا نصف حصہ ہمیشہ بنو غطفانؔ کو دیتے رہیں گے۔ [۲]

نبی ﷺ نے اس غزوہ میں صرف انہیں صحابہ کو ہمرکاب چلنے کی اجازت دی تھی جو ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ کی بشارت سے ممتاز تھے اور جن کو

---

[۱] سیرۃ حلبیہ ۲۔ ۷۳۶

[۲] سیرۃ النبیؐ ا۔ ۴۷۸، منقول از تاریخ الخمیس

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾ کا مژدہ مل چکا تھا، ان کی تعداد سولہ سو تھی جن میں دو سو سوار تھے۔[۱]

لشکرِ اسلام آبادیٔ خیبر کے متصل رات کے وقت پہنچ گیا تھا، نبی ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ رات کو لڑائی شروع نہ کرتے اور نہ کبھی شبخون ڈالا کرتے، اسلئے لشکرِ اسلام نے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔[۲] یہ میدان اہل خیبر اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا تھا اس تدبیر کا فائدہ یہ ہوا کہ جب بنو غطفان یہودیانِ خیبر کی مدد کے لئے نکلے تو انہوں نے لشکرِ اسلام کو سدّ راہ پایا اور اس لئے چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔[۳]

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے خیبر کے قلعوں کی طرف توجہ فرمائی، اور ایک ایک کرکے ان قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا، ان قلعوں میں ایک ایسا قلعہ تھا جو نامور یہودی شہسوار مرحب کا تخت گاہ تھا، اس کو حضرت علیؓ نے سر کیا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ قلعہ مسلمانوں کے لئے بہت سخت دشوار گذار ثابت ہو رہا تھا اور ان کا قابو اس پر نہیں چل پا رہا تھا، حضرت علیؓ کی آنکھیں اس وقت آشوب کر آئی تھیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿لأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَداً رَجُلاً يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلىٰ يَدَيْهِ﴾ (کل فوج کا علم اس شخص کو دیا جائیگا جس سے خدا تعالیٰ اور رسول اللہ محبت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ فتح عنایت

---

[۱] سیرۃ حلبیہ ۲۔۷۲۶

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر

[۳] ابن ہشام ۲۔ ۳۳۰

فرمائے گا۔ یہ ایسی تعریف تھی کہ جسے سن کر فوج کے بڑے بڑے بہادر اگلے دن کی کمان ملنے کے آرزومند ہو گئے تھے، صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ انہیں آشوبِ چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہوتا رہا ہے، حضرت علیؓ آ گئے تو نبی ﷺ نے لعابِ مبارک جناب مرتضیٰؓ کی آنکھوں کو لگا دیا، اسی وقت آنکھیں کھل گئیں، نہ آشوب کی سرخی باقی تھی اور نہ درد کی تکلیف، پھر فرمایا علی جاؤ، راہِ خدا میں جہاد کرو، پہلے اسلام کی دعوت دو بعد میں جنگ، علی! اگر تمہارے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو یہ کام بھاری غنیمتوں کے حاصل ہو جانے سے بہتر ہوگا۔ [1]

حضرت علیؓ مرتضیٰؓ نے قلعہ ناعم پر جنگ کی طرح ڈالی، مقابلے کیلئے قلعہ کا مشہور سردار مرحب جب میدان میں نکلا، یہ اپنے آپ کو ہزار بہادروں کے برابر کہا کرتا تھا، اس نے آتے ہی یہ رجز پڑھنا شروع کر دیا ع

قَدْعَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ

شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

اِذَا الْقُلُوْبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

''خیبر جانتا ہے کہ میں ہتھیار سجانے والا، بہادر، تجربہ کار مرحب ہوں، جب لوگوں کے ہوش مارے جاتے ہیں تو میں بہادری دکھایا کرتا ہوں۔''

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ خیبر

اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عامرؓ بن الاکوعؓ نکلے، وہ بھی اپنا رجز پڑھتے جاتے تھے، ع

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّيْ عَامِرُ

شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَافِرُ

''خیبر جانتا ہے کہ میں ہتھیار چلانے میں استاد، نبرد آزما، تلخ ہوں میرا نام عامر ہے۔''

مرحبؔ نے ان پر تلوار سے وار کیا، حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈھال پر روکا اور مرحب کے حصہ زیریں پر وار چلایا، مگر ان کی تلوار جو لمبائی میں چھوٹی تھی، اُن ہی کے گھٹنے پر لگی، جس کے صدمہ سے بالآخر شہید ہو گئے، پھر حضرت علی مرتضیٰؓ نکلے، رجز حیدری سے میدان گونج اٹھا، آپ فرماتے تھے ع

أَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ أُمِّيْ حَيْدَرَهْ

كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

أُوْفِيْهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

''میں ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر غضبناک رکھا ہے، میں جنگلوں کے شیر کی طرح ہوں اور بہت ہی ہیبتناک ہوں، میں اپنے پیمانے کی سخاوت سے بڑے بڑے پیمانے عطا کروں گا۔''

حضرت علیؓ نے ایک ہی ہاتھ تلوار کا ایسا لگایا کہ اس کا کام تمام ہو گیا،

اور فتح ہوگئی۔[1]

خیبر کا واقعہ ہے ایک سیاہ فام حبشی غلام جو اپنے یہودی آقا کی بکریاں چَراتا تھا، یہ دیکھ کر کہ یہودی لڑائی کی تیاری کررہے ہیں، ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس شخص سے لڑنے جارہے ہیں جو نبوت کا دعوی کرتا ہے، اس کے دل میں نبی ﷺ کا شوق پیدا ہوا وہ اپنا گلہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تم اس کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور اللہ کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو'' غلام نے کہا کہ اگر میں نے یہ گواہی دی اور اللہ پر ایمان لے آیا تو مجھے کیا ملے گا؟ فرمایا: ''اگر تم اسی پر مرے تو جنت ہے۔'' غلام نے اسلام قبول کیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ گلہ میرے پاس امانت ہے، میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ان کو ہنکا دو اور کنکری مارو اللہ تمھاری امانت ادا کرادے گا'' اس نے ایسا ہی کیا اور بکریاں اپنے مالک کے پاس پہونچ گئیں، مالک سمجھ گیا کہ غلام مسلمان ہوگیا، اتنے میں آنحضرت ﷺ نے وعظ فرمایا اور صحابہ کو جہاد پر ابھارا، جب مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو شہیدوں میں یہ غلام بھی تھا، لوگ اس کی لاش اٹھا کر خیمہ میں لے گئے، آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا ''اللہ نے اس غلام پر بڑا فضل فرمایا اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ قرد، کتاب المناقب، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ

اس کو بڑی توفیق دی' میں نے اس کے سرہانے دو حوریں دیکھیں حالانکہ اس کو ایک مرتبہ بھی سجدہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ [1]

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں سیاہ فام، کم رو آدمی ہوں، بو بھی خراب ہے، مال بھی میرے پاس نہیں ہے، اگر میں یہودیوں سے لڑوں اور مارا جاؤں تو کیا جنت میں جاؤنگا؟ فرمایا ''ہاں'' یہ سن کر وہ آگے بڑھا جنگ کی اور مارا گیا، آنحضرت ﷺ اس کے پاس آئے آپ نے فرمایا ''اللہ نے تمھارا چہرہ حسین کر دیا، تمھیں خوشبودار بنا دیا اور تمھیں بہت سا مال دیا، پھر فرمایا ''میں نے دیکھا کہ حوروں میں سے اس کی دو بیویاں ہیں'' [2]

خیبر کی لڑائی سے پہلے ایک اعرابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ایمان لایا اور آپ کے ساتھ ہو گیا، آپ نے اس کو ایک صحابی کے سپرد کر دیا کہ وہ اس کی تعلیم و تربیت کریں، جب خیبر کی جنگ ہوئی اور کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا آپ نے اس اعرابی کا بھی حصہ لگایا، اعرابی اپنے ساتھیوں کے اونٹ چرانے گیا تھا، جب پلٹ کر آیا تو لوگوں نے اس کا حصہ دیا، وہ اپنا حصہ لئے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ''یہ تمھارا حصہ ہے۔'' اس نے کہا میں اس لئے تھوڑی آپ کے

---

[1] دلائل النبوۃ ۴۔ ۲۱۹، زاد المعاد ۳۔۳۲۳

[2] دلائل النبوۃ ۴۔ ۲۲۱، زاد المعاد ۳۔۳۲۴

ساتھ ہوا تھا، میں تو اس لئے ساتھ ہوا تھا کہ (حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) یہاں میرے تیر لگے اور میں مر کر جنت میں چلا جاؤں، فرمایا ''اگر تم اس ارادہ میں سچے ہو تو اللہ بھی یہی کر کے دکھائے گا۔'' خیبر کی لڑائی میں یہ اعرابی شہید ہوا تو اس کی لاش لوگ حضور ﷺ کے پاس لائے آپ نے دیکھ کر فرمایا ''یہ وہی ہے؟'' لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا ''اس کا معاملہ اللہ سے سچا تھا اللہ نے وہی کر دیا'' آنحضرت ﷺ نے اس کو اسی کے جبہ میں رکھ کر کفنایا پھر اس کو مقدم رکھ کر نماز پڑھائی، دعا میں یہ بھی فرمایا ''کہ اے اللہ یہ تیرا بندہ تیرے راستہ میں ہجرت کر کے نکلا تھا اور شہید مارا گیا ہے میں اس کا گواہ ہوں۔[1]

فتح کے بعد زمین مفتوح پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے، ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کیا کریں گے، یہ درخواست منظور ہوئی۔[2]

بٹائی کا وقت آتا تھا تو آنحضرت ﷺ عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو، یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔[3] خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی۔[4]

---

[1] سنن نسائی ۴۔ ۶۰، مستدرک حاکم ۳۔۵۹۵، دلائل النبوۃ ۴۔۲۲۱

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۴

[4] ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر

خیبر ہی کے موقع پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے پہنچے ان کے ساتھ یمن کے اشعری بھی تھے، یہ کچھ اوپر پچاس آدمی تھے، ایک کشتی پر سوار تھے، کشتی نے ان کو حبشہ کے ساحل پر پہونچا دیا، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب اوران کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی، حضرت جعفرؓ نے کہا ہم کو یہاں رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اور ٹھہرنے کا حکم دیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ ٹھہرو، یہ لوگ ٹھہر گئے اور حبشہ سے ساتھ ہی روانہ ہوگئے، جب یہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہونچے اور آپ ﷺ نے حضرت جعفر کی آواز سنی تو بڑی مسرت سے ان سے بڑھ کر ملے اور پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا ''خدا کی قسم میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خیبر کی فتح کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے کی'' آپ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں آنے والوں کا بھی حصہ لگایا۔[1]

خیبر ہی کے موقع پر ایک یہودی عورت نے آنحضرت ﷺ کو زہر دیا، سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے لوگوں سے پوچھا کہ حضور ﷺ کو کون سا گوشت زیادہ مرغوب ہے، لوگوں نے کہا دست کا، اس نے آپ کی خدمت میں ایک بھنی ہوئی بکری پیش کی اور دست میں خوب زہر ملا دیا، جب آپ نے اس میں سے گوشت نوچا، تو اللہ نے اس دست ہی کے ذریعہ آپ کو مطلع کر دیا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، آپ نے یہودیوں سے دریافت فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انھوں نے اقبال کیا، فرمایا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر، صحیح مسلم کتاب الفضائل

کیوں؟ انھوں نے کہا ہم نے سوچا کہ اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو ہم کو چھٹی مل جائے گی اور اگر پیغمبر ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، عورت کو بھی خدمت میں حاضر کیا گیا اور اس نے اعتراف کیا کہ میرا ارادہ مار ڈالنے ہی کا تھا، فرمایا ''اللہ تعالیٰ تجھے اس کا موقع نہیں دے سکتا تھا'' صحابہؓ نے عرض کیا ہم اسے قتل کر دیں، آپ نے فرمایا ''نہیں۔'' [1]

صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت ﷺ مکہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے۔[2] اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ واقعہ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی نہ رہ جائے چنانچہ بجز ان لوگوں کے جو اس اثناء میں مر چکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔ [3]

معاہدہ میں شرط تھی کہ مسلمان مکہ میں آئیں تو ہتھیار ساتھ نہ لائیں، اس لئے اسلحہ جنگ بطن یاجُج میں جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیئے گئے، اور دو سو سواروں کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کیلئے متعین کر دیا گیا،[4] رسول اللہ ﷺ لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے عبداللہ بن رواحہؓ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب الشاۃ التی سمت للنبی بخیبر۔

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء

[3] سیرۃ ابن کثیر ۳۔ ۴۲۹

[4] زادالمعاد ۳۔ ۳۷۰

خَلُّوا بَنِیْ الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِہٖ

اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ

ضَرْباً یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِہٖ

وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ [1]

''کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ، آج جو تم نے اترنے سے
روکا ہے تو ہم تلوار کا وار کریں گے، وہ وار جو سر کو خوابگاہ سے
الگ کردے اور ساری دوستی ہوا کردے''

صحابہ کا جم غفیر ساتھ تھا اور برسوں کی دیرینہ تمنا، وہ بڑے جوش کے ساتھ مناسک حج ادا کر رہے تھے، اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے، اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ لوگ طواف میں تین پہلے پھیروں میں اکڑتے ہوئے چلیں [2] عربی زبان میں اس کو ''رمل'' کہتے ہیں، چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے۔

اہل مکہ نے اگرچہ چار ناچار مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت دے دی تھی تاہم ان کی آنکھیں اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی تھیں، رؤسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا اور پہاڑوں پر چلے گئے، تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا محمد (ﷺ) سے کہہ دو کہ شرط پوری ہو چکی اب مکہ سے نکل

---

[1] سنن ترمذی، ابواب الامثال، باب ماجاء فی انشاء الشعر، سنن نسائی، کتاب مناسک الحج، باب انشاء الشعر فی الحج
[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء

جائیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی، آپ اسی وقت روانہ ہوگئے [1] چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی امامہ جو مکہ میں رہ گئی تھیں، آنحضرت ﷺ کے پاس "چچا چچا" کہتی دوڑی آئیں، حضرت علیؓ نے ہاتھوں میں اٹھالیا، لیکن حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زید بن حارثہ نے اپنے دعوے پیش کئے، حضرت جعفرؓ کہتے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، زید کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، حضرت علیؓ کو دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے، آنحضرت ﷺ نے سب کے دعوؤں کو برابر دیکھ کر ان کو اسماء کی گود میں دے دیا، وہ امامہ کی خالہ تھیں، پھر فرمایا "کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔" [2]

غزوۂ موتہ

سلاطین اور روساء کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے گئے تھے ان میں ایک خط شُرَحْبِیل بن عمرو کے نام تھا جو بصریٰ (حوران) کا بادشاہ اور قیصر کا ماتحت تھا، یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمراں تھا، یہ خط حارث بن عمیرؓ لے کر گئے تھے، شرحبیل نے ان کو قتل کر دیا، اس کے قصاص کے لئے آنحضرت ﷺ نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی [3] زیدؓ بن حارثہ کو جو آنحضرت ﷺ کے غلام تھے سپہ سالاری ملی اور

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء [3] زاد المعاد ۳۔ ۳۸۱

ارشاد ہوا کہ ان کو دولتِ شہادت نصیب ہو تو جعفر طیارؓ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔[1]

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوتِ اسلام دی جائے، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو جنگ کی ضرورت نہیں، یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیرؓ نے ادائے فرض میں جان دی ہے، ثنیۃ الوداع تک آنحضرت ﷺ خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے، صحابہؓ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے۔[2]

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرحبیل کو خبر دی، اس نے مقابلہ کے لئے کم وبیش ایک لاکھ کی فوج تیار کی، ادھر قیصر روم (ہرقل) قبائلِ عرب کی بیشمار فوج لیکر مآب میں خیمہ زن ہوا جو بلقاء کے اضلاع میں ہے، حضرت زیدؓ نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے، لیکن عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولت شہادت ہے جو ہر وقت حاصل ہوسکتی ہے۔[3] غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا، حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے علم ہاتھ میں لیا گھوڑے سے اتر کر پہلے

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتۃ

[2] سیرۃ النبی ا۔ ۵۰۶

[3] سیرۃ ابن ہشام ۲۔۳۷۵

خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں، پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور چور ہو کر گر پڑے [۱] حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ رزخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا، [۲] حضرت جعفرؓ کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور وہ بھی داد شجاعت دے کر شہید ہوئے، اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے، صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں ٹوٹ کر گریں، [۳] لیکن لاکھ سے تین ہزار کا مقابلہ کیا تھا، بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچالائے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا، حضرت جعفرؓ سے آپ ﷺ کو خاص محبت تھی، ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا، آپ ﷺ مسجد میں جا کر غمزدہ بیٹھے، اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں، آپ ﷺ نے منع کرا بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ ﷺ نے دوبارہ بھیجا، وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تو ان کے منہ میں خاک بھر دو'' یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے، صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے

---

۱ سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۳۷۸

۲ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتہ

۳ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتہ ، پوری تفصیل ابن ہشام میں موجود ہے، ۲۔ ۳۷۹، ۳۸۰

کہا کہ ''خدا کی قسم تم یہ نہ کرو گے (منھ میں خاک ڈالنا) اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی۔'' [۱]

فتح مکّہ

۶ھ میں جو معاہدہ قریش نے نبی ﷺ سے بمقام حدیبیہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ میں یہ تھا کہ دس سال جنگ نہ ہوگی اس شرط میں جو قومیں نبی ﷺ کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں اور جو قریش کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں۔

اس کے موافق بنی خزاعہ نبی ﷺ کی طرف اور بنو بکر قریش کی طرف مل گئے تھے، معاہدہ کو ابھی دو برس بھی نہ پورے ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے بھی اسلحہ سے امداد دی، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، (معاہدہ پر اسی نے دستخط کئے تھے) صفوان بن امیہ (مشہور سرداران قریش) خود بھی نقاب پوش ہو کر مع اپنے حوالی وموالی بنوخزاعہ پر حملہ آور ہوئے، ان بیچاروں نے امان بھی مانگی، بھاگ کر خانۂ کعبہ میں پناہ لی مگر ان کو ہر جگہ بے دریغ تہہ تیغ کیا گیا، جب یہ مظلوم ﴿اِلٰھَکَ اِلٰھَکَ﴾ (اپنے خدا کے واسطے) کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے تھے ﴿لَا اِلٰـــهَ الْیَـــوْمَ﴾ (آج خدا کوئی چیز نہیں) [۲]

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ موتہ

[۲] سیرۃ ابن ہشام ۲۔۳۹۰، تاریخ طبری ۲۔۱۵۳

مظلوموں کے بچے کھچے چالیس آدمی جنھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، نبی ﷺ کی خدمت میں پہونچے اور اپنی مظلومی و بربادی کی داستان سنائی، عمرو بن سالم خزاعیؔ نے پُر درد نظم میں تمام واقعات گوش گذار کیے، اس کے جستہ جستہ اشعار درج کیے جاتے ہیں:

اِنَّ قُرَيْشاً أَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَا	وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا
وَجَعَلُوْا بِيْ فِيْ كَدَاءَ رُصَّدا	وَزَعَمُوْا أَنْ لَّسْتُ أَدْعُوْا أَحَدَا
وَهُمْ أَذَلُّ وَأَقَلُّ عَدَدَا	هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدَا

فَقَتَلُوْنَا رُكَّعاً وَّسُجَّداً

ترجمہ: ''قریش نے آپ ﷺ سے وعدہ خلافی کی، انھوں نے مضبوط معاہدہ کو جو آپ ﷺ سے کیا تھا توڑ ڈالا، مقام کداء میں لوگوں کو گھات میں لگا دیا، وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کو کوئی نہیں آنے کا، وہ ذلیل ہیں اور قلیل ہیں، انھوں نے وتیر میں ہم کو سوتے میں جا لیا، ہم کو رکوع وسجود کی حالت میں پارہ پارہ کر دیا۔''

معاہدے کی پابندی، فریق مظلوم کی داد رسی، دوستدار قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے نبی ﷺ مکہ کی جانب سوار ہو گئے، دس ہزار کی جمعیت ہمرکاب تھی،[۱] دومنزل چلے تھے کہ راہ میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان

اورعبداللہ بن ابوامیہ آنحضرت ﷺ سے ملے۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نبی ﷺ کو سخت ایذائیں دی تھیں اور اسلام کے مٹانے میں بڑی کوششیں کی تھیں، آنحضرت ﷺ نے انھیں دیکھا اور رخ پھیرلیا، ام المومنین ام سلمہ نے عرض کی:

''یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا ہے، اتنے قریبی تو مرحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں۔[۱]

اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جن الفاظ میں برادران یوسف نے معافی کی درخواست کی تھی تم بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر انھیں الفاظ کا استعمال کرو، نبی ﷺ کے عفو وکرم سے امید ہے کہ ضرور کامیاب ہوجاؤ گے۔

انھوں نے نبی ﷺ کے حضور میں حاضر ہوکر یہ آیت پڑھی:

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ﴾

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ﴾[۲]

اس وقت ابوسفیان نے جوش ونشاط سے یہ اشعار پڑھے:

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۴۰۰، مستدرک حاکم ۳۔۴۶، ذہبی نے سند کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے۔

[۲] زادالمعاد ۳۔۴۰۰

لَعَمْرُکَ اِنِّیْ یَوْمَ أَحْمِلُ رَأْیَۃً لِتَغْلِبَ خَیْلُ اللَّاتِ خَیْلَ مُحَمَّدٖ

لَکَا لْمُدْلَجِ الْحَیْرَانِ اُظْلِمَ لَیْلَہٗ فَھٰذَا أَوَانِیْ حِیْنَ اُھْدٰی وَاَھْتَدِیْ

ھَدَانِیْ ھَادٍ غَیْرُ نَفْسِیْ وَنَالَنِیْ مَعَ اللّٰہِ مَنْ طَرَّدْتُ کُلَّ مُطَرَّدٖ

''قسم ہے کہ جن دنوں نشانِ جنگ اس لئے اٹھایا کرتا تھا کہ لات (بت کا نام) کا لشکر محمد (ﷺ) کے لشکر پر غالب آجائے، اُن دنوں میں اس خار پشت جیسا تھا جو اندھیری رات میں ٹکریں کھاتا ہو، اب وقت آگیا ہے کہ میں ہدایت پاؤں اور سیدھے رستہ جاؤں، مجھے ہادی نے نہ کہ میرے نفس نے ہدایت دی ہے اور خدا کا راستہ مجھے اس شخص نے بتایا ہے جسے میں نے دھتکار دیا اور چھوڑ دیا تھا''

نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم تو مجھے چھوڑتے ہی رہے تھے۔[1]

نبی ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ اہل مکہ کو اس آمد کی خبر نہ ہونے پائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ تک پہنچ کر باہر خیمہ زن ہوگئے، تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ آگ کے الاؤ روشن کئے جائیں، چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی، اس وقت ابوسفیان بن حرب جاسوسی کی غرض سے اور حالات کا اندازہ کرنے کے لئے ادھر سے گذرے اور ان کے منہ سے نکلا کہ اس شان کا لشکر اور اس طرح کی روشنی تو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، حضرت عباسؓ بن

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۴۰۱، مستدرک حاکم ۳۔ ۴۶

عبدالمطلب اس سے پہلے ہجرت کر چکے تھے اور اسی لشکر میں موجود تھے، انہوں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور کہا دیکھو رسول اللہ ﷺ لوگوں میں تشریف فرما ہیں، کل قریش کا انجام کتنا ہولناک ہوگا، پھر یہ سوچ کر کہ کوئی مسلمان ان کو دیکھ لے گا تو فوراً ان کا کام تمام کر دیگا، اپنے خنجر کے پیچھے انہیں سنبھال لیا اور نبی ﷺ کے پاس لائے، جب آپ ﷺ کی نظر مبارک ان پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا، ابوسفیان تمہارا بھلا ہو ....کیا ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، انہوں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم ہیں اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، خدا کی قسم میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کا وجود ہوتا تو آج میرے کچھ کام آتا، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوسفیان خدا تمہیں سمجھ دے کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے اس بارے میں مجھے ابھی شبہ ہے، حضرت عباسؓ نے فرمایا بندۂ خدا! قبل اس کے کہ تمہاری گردن تلوار سے اڑا دی جائے اسلام قبول کرلو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہ سن کر ابوسفیان اسلام لائے اور شہادت دیکر اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے۔[۱]

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۴۰۲، ۴۰۳، زادالمعاد ۳۔ ۳۹۸، ۴۰۱، ۴۰۲

معافی کی صدائے عام

رسول اللہ ﷺ نے معافی اور امن وحفاظت کا دائرہ اس روز وسیع فرمادیا کہ اہل مکہ میں سے صرف وہی شخص ہلاک ہوسکتا تھا جو خود معافی اور سلامتی کا خواہشمند نہ ہو اور اپنی زندگی سے بیزار ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اس کو پناہ ملے گی، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ محفوظ ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہوگا اس کو امن ہے، رسول اللہ ﷺ نے اہلِ لشکر کو ہدایت فرمائی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت صرف اس شخص پر ہاتھ اٹھائیں جو انکی راہ میں حائل ہو اور ان کی مزاحمت کرے، آپ ﷺ نے اس کا بھی حکم فرمایا کہ اہل مکہ کی جائداد کے بارے میں مکمل احتیاط برتی جائے اس میں مطلق دست درازی نہ کی جائے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو ہدایت کی کہ ابوسفیان کو ایسی جگہ لے جائیں جہاں سے اسلامی دستوں کی پیش قدمی کا نظارہ ہوسکے، یہ فاتحانہ دستے سمندر کی موجوں کی طرح متلاطم نظر آتے تھے، مختلف قبائل اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ گذر رہے تھے، جب کوئی قبیلہ گذرتا تو ابوسفیان عباسؓ سے اس کا نام دریافت کرتے اور کہتے کہ مجھے اس قبیلہ سے کیا سروکار۔[2]

---

[1] زادالمعاد ۳۔ ۴۰۳ [2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبیؐ الرایۃ یوم الفتح

یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس ایک مسلّح دستے میں تشریف لائے جو سبز معلوم ہو رہا تھا، یہ مہاجرین اور انصار کا آہن پوش دستہ تھا کہ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں، ابوسفیان نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ خدا کی شان عباس یہ کون لوگ ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو مہاجرین اور انصار کے جلو میں تشریف لے جارہے ہیں، انھوں نے کہا ان میں سے کسی کو اس سے پہلے یہ طاقت اور شان وشوکت حاصل نہیں تھی، خدا کی قسم اے ابوالفضل! تمھارے بھتیجے کا اقتدار آج کی صبح کتنا عظیم ہے، انھوں نے کہا، ابوسفیان! یہ نبوت کا معجزہ ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان نے بلند آواز سے یہ اعلان کیا کہ اے قریش کے لوگو! یہ محمد (ﷺ) اتنی طاقت کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں جس کا تم کو کبھی تجربہ نہ ہوا ہوگا، اب جو ابوسفیان کے گھر میں آجائیگا اس کو امان دی جائیگی، لوگ یہ سن کر کہنے لگے، اللہ تم سے سمجھے تمہارے گھر کی حقیقت ہی کیا ہے کہ ہم سب کو اس گھر پناہ مل سکے؟ پھر انھوں نے کہا، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا اس کو امان ملے گی، جو مسجد (مسجد حرام) میں چلا جائیگا اس کو بھی امان ملے گی، چنانچہ لوگ منتشر ہوگئے اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام میں پناہ گیر ہوگئے۔[1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۴۰۴، ۴۰۵، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ۔

نیازمندانہ، نہ کہ فاتحانہ داخلہ

رسول اللہ ﷺ مکّہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ سر مبارک عبدیت و تواضع کے غلبے سے بالکل جھک گیا تھا، قریب تھا کہ آپ ﷺ کی ٹھوڑی اونٹ کے کجاوے سے لگ جائے [1] آپ ﷺ داخل ہوتے وقت سورۂ فتح پڑھ رہے تھے۔ [2]

مکّہ کے اس فاتحانہ داخلے میں (جو جزیرۃ العرب کا قلب وجگر اور روحانی وسیاسی مرکز تھا) عدل ومساوات تواضع اور اظہار عبدیت کا کوئی انداز نہ تھا جس کو آپ ﷺ نے اختیار نہ فرمایا ہو، اسامہ کو جو آپ ﷺ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت زیدؓ کے صاحبزادے تھے، آپ ﷺ نے اپنی سواری کے پیچھے جگہ دی، بنی ہاشم اور اشراف قریش میں سے جن کی بڑی تعداد وہاں موجود تھی یہ شرف کسی کو حاصل نہ ہوا، [3]

فتح مکّہ کے روز ایک شخص نے آپ ﷺ سے گفتگو کی تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا ڈرو نہیں اطمینان رکھو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔۴۰۵، مستدرک حاکم ۳۔ ۵۰

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی

[3] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب دخول النبی من اعلی مکۃ

ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔[۱]

معافی اور رحم کا دن ہے خونریزی کا نہیں

جب حضرت سعد بن عبادہؓ جو انصار دستہ کے امیر تھے، ابوسفیان کے پاس سے گذرے، انھوں نے کہا "اَلیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ، اَلیَوْمُ تُستَحَلُّ الکَعْبَۃُ، الیوم اَذَلَّ اللّٰہُ قُرَیْشاً" (آج گھمسان کا دن ہے اور خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا ہے) جب رسول اللہ ﷺ اپنے دستے میں ابوسفیان کے پاس سے گذرے تو انھوں نے آپ ﷺ سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ یا رسول للہ ﷺ آپ نے سنا سعدؔ نے ابھی کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا کہا ہے؟ انھوں نے وہ سب دہرادیا سعدؔ کے جملے کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا اور فرمایا "اَلیَوْمُ یَوْمُ المَرْحَمۃ، اَلیَوْمُ یُعِزُّ اللّٰہُ قریشاً، ویُعَظِّمُ اللہُ الکَعْبَۃَ" (نہیں! آج تو رحم ومعافی کا دن ہے آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا اور کعبہ کی عظمت بڑھائیگا)

آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا اور اسلامی پرچم ان سے لیکر ان کے صاحبزادے قیسؓ کے حوالے کیا [۲] آپ ﷺ نے یہ خیال

---

[۱] مستدرک حاکم ۳۔۵۰، ذہبی نے شیخین کی شرط پر قرار دیا ہے۔

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، فتح الباری ۸۔ ۹

فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو پرچم دینے کے معنیٰ یہ ہوں گے گویا پرچم ان سے واپس نہیں لیا گیا ہے۔

اس طرح ایک حرف کی تبدیلی (الملحمة کے بجائے المرحمة فرمادینے) اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تبدیل کردینے سے (جن میں سے ایک باپ کا ہاتھ تھا دوسرا بیٹے کا) آپ ﷺ نے سعد بن عبادہؓ (جن کے ایمانی اور مجاہدانہ کارنامے اَظْھرمِنَ الشمس تھے) کی ادنیٰ دلشکنی کے بغیر ابوسفیان کی (جن کی تالیفِ قلب کی ضرورت تھی) دل جوئی کا سامان ایسے حکیمانہ بلکہ معجزانہ طریقہ پر انجام دے دیا جس سے بہتر طریقے پر تصور میں آنا مشکل ہے، باپ کے بجائے ان کے بیٹے کو یہ منصب عطا کر دیا، جس سے ابوسفیان کے زخم خوردہ دل کی تسکین منظور تھی، دوسری طرف آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو آزردہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتے تھے، جنہوں نے اسلام کے لئے بڑی خدمات انجام دی تھیں۔

معمولی جھڑپیں

اس موقع پر صفوانؔ بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل، سہیل بن عمرو اور خالد بن ولید کے ساتھیوں کے درمیان کچھ جھڑپیں ہوئیں، جن میں تقریباً ایک درجن مشرکین مارے گئے، اس کے بعد انہوں نے شکست قبول

کرلی۔ [1] اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کے سالاروں کو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوں تو صرف ان پر ہاتھ اٹھائیں جو ان پر ہاتھ اٹھائے۔

حرم سے بتوں کی صفائی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے مقام پر پہونچ گئے، اور لوگ بھی مطمئن ہو گئے تو اس وقت آپ باہر تشریف لائے، بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں جا کر بیت اللہ کے گرد طواف کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک کمان تھی، کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، آپؐ اس کمان سے ان بتوں کو کونچتے تھے، اور فرماتے تھے:۔

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾
(سورۂ اسراء ۸۱)

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

اسی کے ساتھ یہ تمام ایک ایک کر کے منہ کے بل گرتے جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں کچھ تصویریں اور شبیہیں بھی نظر آئیں اور آپ کے حکم سے ان کو بھی توڑ پھوڑ دیا گیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف پورا فرمالیا تو عثمانؓ بن طلحہ کو جو کعبہ کے کلید بردار تھے بلوایا، کعبہ کی کلیدان سے لی دروازہ کھولا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] ابن ہشام ۲۔۴۰۸

کعبہ میں داخل ہوئے، اس سے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت سے قبل ایک دن یہ کلید طلب فرمائی تھی، تو انھوں نے سخت جواب دیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہانت آمیز گفتگو کی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلم اور بُردباری سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا تھا، عثمان! ''تم یہ کلید کسی وقت میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس وقت میں جسے چاہوں گا اسے یہ دوں گا'' اس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا، ''اگر ایسا ہوا تو وہ دن تو قریش کی بڑی ذلت وتباہی کا ہوگا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں اس دن وہ آباد اور باعزت ہوں گے'' یہ الفاظ عثمان بن طلحہ نے دل نشیں ہو گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔ [1]

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کنجی آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا، اللہ آپؐ پر درود وسلام بھیجے آپؐ سقایہ (پانی پلانے کا انتظام) کے ساتھ حجابہ (بیت اللہ کی دربانی) بھی ہمیں عطا فرمائیں۔

[1] زاد المعاد ج۔۱۔ص ۴۲۵ صحیح بخاری میں بھی یہ واقعہ آیا ہے

نبی ﷺ نے فرمایا" اَلیومُ یومُ البِرِّ وَ الوَفاءِ" (آج کا دن تو سلوک کرنے، پورے عطیات دینے کا ہے) پھر عثمان کو بلایا انہی کو کلید مرحمت فرمائی، اورارشاد فرمایا کہ "جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔[1]

عرب میں دستور تھا کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پاجاتا تھا یعنی اگر اس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھ لیا جاتا اور سیکڑوں برس گذرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلہ کے آدمی کو قتل کرتے تھے، اسی طرح خوں بہا کا مطالبہ بھی ابا عَنْ جَدٍّ چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اسی طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہوگئی تھیں، اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا اور اس بناء پر آپ ﷺ نے انتقام اور خوں بہا اور تمام غلط مفاخرات کی نسبت فرمایا کہ "میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا۔" [2]

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم وخاندان کے امتیاز کی بناء پر ہر قوم میں فرقِ مراتب قائم کئے گئے تھے، جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں، اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے، اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۴۱۲

[2] ابن ہشام ۲۔۴۱۲، سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب فی خطأ شبہ العمد

کبھی اپنے رتبہ سے آگے نہ بڑھے۔

اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساواتِ عام کا قائم کرنا تھا، یعنی عرب وعجم، شریف ورذیل، شاہ وگدا سب برابر ہیں، ہر شخص ترقی کے ہر انتہائی درجہ تک پہنچ سکتا ہے، اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔[1]

خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبّارانِ قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کا بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کیں تھیں، وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

---

[1] ابن ہشام ۲۔۴۱۲، سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب فی خطأ شبہ العمد

رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا

''تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔''

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ:

أَخٌ كريمٌ وابنُ اخٍ كريمٍ ''آپ شریف بھائی ہیں اور شریف برادرزادہ ہیں۔''

ارشاد ہوا:

''لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُم اليَوْمَ اِذْهَبُوا، فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ'' [۱] ''تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ، تم سب آزاد ہو'' کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وقت تھا کہ ان کو حقوق دلائے جاتے، لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے، ان کی آتش غیرت پھر مشتعل تھی، عتّاب بن اُسَید نے کہا ''خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا لیا'' ایک اور سردار قریش نے کہا ''اب جینا بے کار ہے'' [۲]

مقام صفا میں آپ ﷺ ایک بلند مقام پر جا بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مردوں کی باری

---

[۱] ابن ہشام ۲۔۴۱۲، اس معنی کی روایت مسند احمد ۵۔۱۳۵ میں بھی ہے۔

[۲] ابن ہشام ۲۔۴۱۳

ہو چکی، تو مستورات آئیں، عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان سے ارکانِ اسلام اور محاسنِ اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا، پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت ﷺ دستِ مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے، آپ ﷺ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔ [۱]

رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے، ان میں صفوانؓ بن امیہ جدہ بھاگ گئے، عمیرؓ بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ رئیسِ عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے، آپ ﷺ نے علامتِ امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا۔ عمیرؓ جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے، حنینؓ کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے۔ [۲]

عبداللہ بن زِبعریٰ عرب کا شاعر جو آنحضرت ﷺ کی ہجو کیا کرتا اور قرآن مجید پر نکتہ چینیاں کرتا تھا، نجران بھاگ گیا لیکن پھر آکر اسلام لایا۔ [۳]

حارث بن ہشام کی صاحبزادی اُمّ حکیمؓ عکرمہ بن ابو جہل کی زوجہ تھیں، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابو جہل اسلام سے بھاگ کر یمنؔ چلے گئے، اُمّ حکیم یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور مکہ میں آئے، آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ

---

[۱] رحمۃ للعالمین ۱۔۱۲۰، ۱۲۱ [۲] ابن ہشام ۲۔ ۴۱۷، ۴۱۸

[۳] ابن ہشام ۲۔۴۱۸، ۴۱۹، دلائل النبوۃ ۹۹

مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسمِ مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر ان سے بیعت لی۔ [۱]

وحشی کو بھی معافی دی گئی جس نے امیر حمزہ (اسد اللہ ورسولہ) کو دھوکہ سے مارا تھا اور پھر نعش کو بے حرمت کیا تھا۔ [۲]

فتح سے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے فُضالہ بن عُمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر ڈالے، جب وہ اس ارادہ سے قریب پہنچا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا فضالہؓ آتا ہے؟'' فضالہؓ ''ہاں''!

نبی ﷺ نے فرمایا ''تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟''

فضالہؓ نے کہا ''کچھ نہیں، میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا۔''

نبی ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا ''اچھا تم اپنے خدا سے اپنے لئے معافی کی درخواست کرو'' یہ فرما کر اپنا ہاتھ بھی اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

فضالہؓ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے اطمینانِ قلب حاصل ہوا اور آنحضرت ﷺ کی محبت اس قدر میرے دل میں پیدا ہوگئی کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔

---

[۱] دلائل النبوۃ للبیہقی ۵۔۹۵

[۲] رحمۃ للعالمین ۱۔ ۱۲۲

میں یہاں سے گھر کو چلا راستہ میں میری معشوقہ ملی جس کے پاس میں بیٹھا کرتا تھا، اس نے کہا فضالہ ایک بات سنتے جاؤ، میں نے جواب دیا نہیں، نہیں! خدا اور اسلام ایسی باتوں سے مجھے منع کرتے ہیں۔[1]

غزوۂ حنین

مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا[2] لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر ہوا، یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنونِ جنگ سے واقف تھے، اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے، اس بناء پر فتح مکہ سے پہلے ہوازن کے رؤساء نے عرب کا دورہ کیا اور ہر جگہ مخالفتِ اسلام کا جوش پھیلایا، پورے سال ان کی یہ کوشش جاری رہی اور تمام قبائل عرب سے قرارداد ہوگئی کہ ایک عام حملہ کیا جائے، مکہ فتح ہوا تو ان کو یقین ہوگیا کہ اب جلد تدارک نہ کیا گیا تو پھر کوئی طاقت اسلام کو زیر نہ کرسکے گی۔[3]

آنحضرت ﷺ کی روانگی کے وقت ان کو یہ غلط خبر پہنچی تھی کہ حملہ کا رخ انہی کی طرف ہے اس لئے انتظار کی حاجت بھی نہیں رہی، دفعۃً بڑے زور و

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔۴۱۷

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، بعد باب مکارم النبیؐ بمکۃ

[3] سیرۃ النبی علامہ شبلی ۱۔ ۵۳۰، ۵۳۱

شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے، جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنے تمام اہل وعیال لے کر آیا[1] کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دیدیں گے۔[2]

اس معرکہ میں اگر چہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں، تاہم کعب اور کلاب الگ رہے، فوج کی سرداری کے لئے دو شخص انتخاب کئے گئے، مالک بن عوف اور درید بن الصمہ، اول الذکر قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم تھا، درید بن الصمہ عرب کا مشہور شاعر اور قبیلۂ جشم کا سردار تھا، اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں، لیکن اس کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا، چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے وتدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی، پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدانِ جنگ میں لائے، اس نے پوچھا! کہ یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا ''اوطاس'' بولا کہ ہاں ''یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے، اس کی زمین نہ بہت سخت ہے، نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں'' پھر پوچھا کہ ''یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آرہی ہیں؟'' لوگوں نے کہا ''بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے، بولا ''جب پاؤں اکھڑ

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔۵۱، [2] سیرۃ النبیؐ ۱۔۵۳۱

جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی، میدانِ جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے، بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور ذلت ہوگی"

پھر پوچھا کہ "کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں؟" جب معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان جنگ میں نہیں، تو کہا "اگر آج کا دن عزت وشرف کا ہوتا تو کعب وکلاب غیر حاضر نہ ہوتے" اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں اعلانِ جنگ کیا جائے، لیکن مالک بن عوف نے جو تیس سالہ نوجوان تھا جوشِ شباب میں اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ کے ہوش جاتے رہے اور آپ کی عقل بے کار ہو چکی۔[۱]

رسول اللہ ﷺ کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کئے[۲] آنحضرت ﷺ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں، رسد اور سامان جنگ کیلئے قرض کی ضرورت پیش آئی، عبداللہ بن ربعہ جو نہایت دولتمند تھے ان سے تیس ہزار درہم قرض لئے۔[۳] صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم تھا، مہمان نوازی میں مشہور تھا، لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا اس سے

---

[۱] زادالمعاد ۳۔۴۶۶، سیرۃ ابن ہشام ۲۔۴۳۸،۴۳۹

[۲] مستدرک حاکم ۳۔۵۱، ابن ہشام ۲۔۴۴۰

[۳] سیرۃ النبیؐ ۱۔۵۳۳

آنحضرت ﷺ نے اسلحہ جنگ مستعار مانگے، اس نے سو زرہیں اوران کے لوازمات پیش کئے۔[۱]

شوال ۸ھ مطابق جنوری، فروری ۶۳۰ء اسلامی فوجیں، جنکی تعداد بارہ ہزار تھی، اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ صحابہؓ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ ''آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے'' لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔[۲]

﴿ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً، وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین، ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین، وانزل جنوداً لم تروھا وعذب الذین کفروا، وذلک جزآء الکافرین﴾ (توبہ)

''اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی، اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگی کرنے لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی، اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں

[۱] سنن بیہقی ۶۔ ۸۹، سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب فی تضمین العاریۃ

[۲] سیرۃ النبیؐ ۱۔ ۵۴۳، سیرۃ ابن ہشام ۲۔ ۴۴۴

دیکھیں، اور کافروں کو عذاب دیا، اور کافروں کی یہی سزا ہے۔“

مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی اور لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، دشمن کے تیراندازوں نے موقع پا کر تیراندازی شروع کردی، جس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی۔[1]

حضرت ابوقتادہ جو شریکِ جنگ تھے، ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے، میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی، اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا، اسی اثناء میں عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ”پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟“ بولے قضاءِ الٰہی یہی تھی۔[2]

اس ظاہری شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا، زیادہ تر مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور میں اسلحۂ جنگ بھی پہن کر نہیں آئے تھے، فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے، جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے، ہوازن تیراندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا، کفار

---

[1] و [2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ حنین

نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کرلیا تھا اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوؤں اور دروں میں جابجا جما دئے تھے۔[۱]

تیروں کا مینہ برس رہا تھا، بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں، لیکن ایک پیکر مقدس پابرجا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعۂ کائنات تھا۔[۲]

آنحضرت ﷺ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا ''یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَار'' آواز کے ساتھ صدا آئی ''ہم حاضر ہیں'' پھر آپ ﷺ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی، آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلالِ نبوت کے لہجہ میں فرمایا ''میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں۔''[۳]

بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ یہ رجز آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر تھا۔ ع

اَنَا النَّبِیّ لَا کَذِب	میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے،
اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ	میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔[۴]

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے، آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ

---

[۱] سیرۃ النبی ۱۔۵۳۵

[۲] سیرۃ النبی ۱۔۵۳۵، ۵۳۸، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں شکست کے ان بعض اسباب کا ذکر کیا ہے

[۳] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف [۴] صحیح البخاری، کتاب المغازی، غزوۃ حنین

مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انھوں نے نعرہ مارا :

یَـــا مَـــعْشَـــرَ الانْـــصَـــارْ اے گروہِ انصار!

یَـــا اصـــحـــابَ السَّـــمــرہ اے بیعتِ رضوان والو!

اس پُراثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج پلٹ پڑی جن کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے، انھوں نے زرہیں پھینکدیں اور گھوڑوں سے کود پڑے، دفعتہً لڑائی کا رنگ بدل گیا، [1] کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے، لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے، اور جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا، تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ [2]

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی، جس کے ساتھ سپہ سالارِ لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا۔ [3]

دُرید بن الصمہ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں آیا، آنحضرت ﷺ نے (ابو عامر اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لئے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فی غزوۃ حنین، مصنف عبدالرزاق ۵۔ ۳۸۰، ۳۸۱

[2] ابن ہشام ۲۔ ۴۴۹، ۴۵۰

[3] ابن ہشام ۲۔ ۴۵۳

بھیج دی، ابو عامر دُرید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے اور علمِ اسلام اس کے ہاتھ میں تھا، یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا، دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔[1]

اسیرانِ جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی ان میں حضرت شیما بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں، لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انھوں نے کہا ''میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں'' لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس لائے، انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اس کا نشان ہے، فرطِ محبت سے آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ان کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت کیں اور ارشاد کیا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر گھر جانا چاہو تو وہاں پہونچا دیا جائے، انہوں نے خاندان کی محبت سے گھر جانا چاہا، چنانچہ عزت اور احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں۔[2]

حنینؔ کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف جا کر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی تیاریاں کیں، طائف محفوظ مقام تھا، طائف اُس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہاں ثقیفؔ کا جو قبیلہ آباد تھا، نہایت شجاع،

---

[1] ابن ہشام ۲۔۴۵۴، صحیح بخاری، باب غزوۃ اوطاس

[2] ابن ہشام ۲۔۴۵۸، طبری ۲۔۱۷۱

تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا، عروہؔ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابوسفیانؔ (امیر معاویہؓ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی، کفار مکّہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکّہ یا طائف کے رؤساء پر اترتا، یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے۔ [۱] طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروہؔ بن مسعود، اور غیلانؔ بن سلمہ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبّابہ، ضبور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔ [۲]

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا، اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی، سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا، چاروں طرف منجنیق اور جابجا قدرانداز متعین کیے۔ [۳]

آنحضرت ﷺ نے حنینؔ کے مالِ غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرّانہ میں محفوظ رکھے جائیں اور خود طائف کا عزم کیا، حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیئے گئے، غرض محاصرہ ہوا اور اسلام میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کیے گئے، دبابہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت سے تیر باری کی کہ حملہ

---

[۱] سیرۃ النبیؐ ۱۔۱۴۱۵، تاریخ طبری ۲۔۱۷۱

[۲] ابن ہشام ۲۔۴۷۸

[۳] طبقات ابن سعد ۲۔ ۱۵۸

آوروں کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے، بیس دن تک محاصرہ رہا، لیکن شہر فتح نہ ہو سکا[1] آنحضرت ﷺ نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں، چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھالیا جائے، صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ ان کو بددعا دیں، آپ ﷺ نے یہ دعا دی:

"اللّٰھمّ اھد ثقیفاً وائت بھم۔" [2]

"اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔"

محاصرہ چھوڑ کر آپ ﷺ جعرانہ میں تشریف لائے، غنیمت کا بے شمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، اسیرانِ جنگ کے متعلق آپ ﷺ نے انتظار کیا کہ ان کے عزیز و اقارب آئیں تو ان سے گفتگو کی جائے، لیکن کئی دن گزرنے پر کوئی نہ آیا، مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے چار حصے حسبِ قاعدہ اہلِ فوج کو تقسیم کئے گئے، خمس بیت المال اور غرباء و مساکین کے لئے رکھا گیا۔

مکہ کے اکثر رؤساء جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۔۴۸۲،۴۸۳، طبقات ابن سعد ۲۔۱۵۸

[2] طبقات ابن سعد ۲۔ ۱۵۹، ابن ہشام ۲۔۴۸۸

مذبذب الاعتقاد تھے، انہی کو قرآن مجید میں "مؤلَّفةُ القُلوب" کہا ہے، قرآن مجید میں جہاں غنیمت کے مصارف بیان کئے ہیں، ان لوگوں کا نام بھی ہے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات دئے۔ [1]

جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہلِ مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے، اس پر انصار کو رنج ہوا، بعضوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں، بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے، آپ ﷺ نے انصار سے خطاب کیا اور فرمایا تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے عرض کی کہ "حضورؐ! ہمارے سر برآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے، صحیح بخاری باب مناقب الانصار میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر پوچھا "یہ کیا واقعہ ہے؟" تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے، انہوں نے کہا: "آپ ﷺ نے جو سنا صحیح ہے۔" [2]

---

[1] دلائل النبوۃ ۵۔۱۷۱، ابن ہشام ۲۔۴۸۹، سیرۃ النبیؐ ۱۔۵۴۲، ۵۴۳، انعامات کا ذکر صحیحین میں موجود ہے۔

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، وکتاب المناقب، باب مناقب الانصار۔

آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی، انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا ''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت کی؟ تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا؟ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند کیا؟ آپ ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ ''خدا اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، تم یہ جواب دو کہ ''اے محمد (ﷺ)! آپ (ﷺ) کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی، آپ (ﷺ) کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، آپ (ﷺ) مفلس آئے تھے ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔''

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے فرمایا ''تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد (ﷺ) کو اپنے گھر لے آؤ۔''

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ''ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہیں'' اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں، آپ ﷺ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان کو جو کچھ دیا حق کی بنا

پر نہیں بلکہ تالیفِ قلب کے لئے دیا۔[1]

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دئے جائیں، یہ قبیلہ وہ تھا کہ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ کی تھیں، رئیس قبیلہ نے تقریر کی اور آپ ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر کہا ”جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں انہی میں آپ ﷺ کی پھوپھیاں اور آپ ﷺ کی خالائیں ہیں، خدا کی قسم سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو، نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھ کو تو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں“ مہاجرین اور انصار فوراً بول اٹھے ”ہمارا حصہ بھی حاضر ہے“ اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد ہوئے۔[2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف و کتاب المناقب، باب مناقب الانصار

[2] تاریخ طبری ۲۔۳۔۱۷۳، ابن ہشام ۲۔۴۸۸، ۴۸۹

غزوۂ تبوک

ایک قافلہ شام سے آیا اور انہوں نے ظاہر کیا کہ قیصر کی فوجیں مدینے پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار اور فراہم ہو رہی ہیں، عرب کے عیسائی قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ [۱]

نبی ﷺ نے خیال فرمایا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت عرب کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے مناسب ہے تاکہ اندورن ملک کے امن میں خلل واقع نہ ہو۔

یہ مقابلہ ایسی سلطنت سے تھا جو نصف دنیا پر حکمراں تھی اور جس کی فوج حال ہی میں سلطنت ایران کو نیچا دِکھا چکی تھی۔ [۲]

مسلمان بے سروسامان تھے سفر دور دراز کا تھا، عرب کی مشہور گرمی خوب زوروں پر تھی، مدینہ میں میوے پک گئے تھے، میوے کھانے اور سایہ میں بیٹھنے کے دن تھے۔ [۳]

نبی کریم ﷺ نے تیاریٔ سامان کے لئے عام چندہ کی فہرست کھولی، حضرت عثمان غنیؓ نے تین سو اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ میں دیۓ ان کو "مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ" کا خطاب ملا۔ [۴]

---

۱ طبقات ابن سعد ۲۔۱۶۵ ۲ رحمۃ للعالمین ۱۔۱۳۶

۳ سیرۃ ابن ہشام ۲۔۵۱۶

۴ سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان، مسند احمد ۵۔۶۳

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چالیس ہزار درہم پیش کئے۔[۱]

حضرت عمر فاروقؓ نے گھر میں جو کچھ تھا اس کا نصف جو کئی ہزار روپیہ تھا حاضر کیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ جو کچھ لائے اگر چہ وہ قیمت میں کم تھا مگر معلوم ہوا کہ وہ گھر میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے سوا اور کچھ بھی باقی چھوڑ کر نہ آئے تھے۔[۲]

ابو عقیل انصاریؓ نے دو سیر چھوہارے لاکر پیش کئے اور یہ بھی عرض کی کہ ''رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کر کے چار سیر چھوہارے مزدوری کے لایا تھا، دو سیر بیوی بچے کے لئے چھوڑ کر باقی دو سیر لے آیا ہوں'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو جملہ قیمتی مال و متاع کے اوپر بکھیر دو۔[۳]

غرض ہر صحابی نے اس موقع پر ایسے ہی خلوص و فراخ دلی سے کام لیا تقریباً بیاسی شخص جو دکھاوے کے مسلمان تھے بہانہ کر کے اپنے گھروں میں رہ گئے۔[۴]

عبداللہ بن ابی بن سلول مشہور منافق نے ان لوگوں کو اطمینان دلایا تھا

---

[۱] تفسیر طبری میں بیس ہزار کا ذکر ہے ۱۰۔۱۹۱

[۲] رحمۃ للعالمین ۱۔۱۳۶ [۳] تفسیر طبری ۱۰۔۱۹۷

[۴] زادالمعاد ۳۔۵۲۹، ابن سعد ۲۔۱۶۵

کہ اب محمد ﷺ اور ان کے ساتھی مدینہ واپس نہ آسکیں گے، قیصر انہیں قید کر کے مختلف ممالک میں بھیج دے گا۔ [1]

خدا کا نبی ﷺ تیس ہزار کی جمعیت سے تبوک کو روانہ ہوا۔ [2]

مدینہ میں سباعؓ بن عُرفُطہ کو خلیفہ بنایا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو مدینہ میں اہل بیت کی ضروریات کے لئے مامور فرمایا۔ [3]

لشکر میں سواریوں کی بڑی قلت تھی اٹھارہ شخصوں کے لئے ایک اونٹ مقرر تھا، رسد کے نہ ہونے سے اکثر جگہ درختوں کے پتے کھانے پڑے، جس سے ہونٹ سوج گئے تھے، پانی بعض جگہ ملا ہی نہیں، اونٹوں کو (اگرچہ سواری کے لئے پہلے ہی کم تھے) ذبح کر کے ان کی آنتوں کا پانی پیا کرتے تھے۔ [4]

الغرض صبر واستقلال سے تمام تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے تبوک پہنچ گئے۔

ابھی تبوک کے راستے ہی میں تھے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، معلوم ہوا کہ منافقین بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چڑھانے اور کھجانے لگے تھے، کوئی کہتا نکما سمجھ کر چھوڑ دیا، کوئی کہتا ترس کھا کر چھوڑ دیا، ان باتوں سے شیرِ خدا کو غیرت آئی، دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی

---

[1] رحمۃ للعالمین ۱۔۱۳۶

[2] طبقات ابن سعد جزء مغازی، ص ۱۱۹

[3] ابن ہشام ۲۔۵۱۹ [4] مدارج النبوۃ ۲۔۵۷۷، ۵۸۰

خدمت میں پہنچ گئے، لمبے لمبے سفر اور سخت گرمی کی تکلیف سے پاؤں متورم تھے اور چھالے پڑ گئے تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اَلاتَرضیٰ أنْ تکُونَ مِنّی بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسیٰ اِلَّا أنّه لا نَبِیَّ بَعْدِی" "علی! تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسا کہ موسیٰ کے لئے ہارون تھے" گو میرے بعد کوئی نبی نہیں" یہ سن کر علی مرتضیٰؓ خوش وخرم مدینہ کو واپس تشریف لے گئے۔[1]

تبوک پہنچ کر نبی ﷺ نے ایک ماہ قیام فرمایا، اہل شام پر اس دلیرانہ اقدام کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے عرب پر حملہ آور ہونے کا خیال اس وقت چھوڑ دیا اور اس حملہ آوری کا بہترین موقعہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کا زمانہ قرار دیا۔[2]

تبوک میں ایک نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مختصر اور نہایت جامع وعظ فرمایا، ذیل میں اسے مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

اللہ پاک کی بہترین حمد وثنا کے بعد فرمایا:

امّا بعد:

"فَاِنَّ أصْدَقَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ، وَأوْثَقَ الْعُرىٰ کَلِمَةُالتَّقْویٰ، وَخَیْرُالْمِلَلِ مِلَّةُ اِبْرٰهِیْمَ، وَ خَیْرُالسُّنَنِ سُنَّةُمُحَمَّدٍ، وَأشْرَفُ الْحَدِیْثِ ذِکْرُاللّٰهِ، وَ أحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَاالْقُرْآن، وَخَیْرُ

---

[1] ابن ہشام ۲۔۵۱۹، ۵۲۰، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک

[2] رحمۃ للعالمین ۱۔۱۳۷

الْاُمُوْرِ عَوَازِمُهَا، وَشَرُّ الْامُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَأحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْىُ الْاَنْبِيَاءِ، وَاَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ، وَأعْمَى الْعَمىٰ الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدىٰ، وَخَيْرُ الْاَعْمَالِ مَانفعَ، وَخَيْرُ الْهَدْيِ مَا اتُّبِعَ، وشَرُّ الْعَمىٰ عَمَى الْقَلْبِ، وَالْيَدُالْعُلْيَا خَيْرٌمِّنَ الْيَدِ السُّفْلىٰ، وَمَا قَلَّ وَكَفىٰ خَيْرٌمِّمَّا كَثُرَ وَألهىٰ. وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِيْنَ يَحْضُرُالمَوْتُ، وَشَرُّ النَّدَامَةِ يوم الْقِيَامَةِ، وَمِنَ النَّاسِ مَن لَّايَأْتِى الْجُمُعَةَالَّا دُبُراً، وَمَنْ لا يَذْكُرُاللّٰهَ اِلَّا هَجْراً، وَمِنْ أعْظَمِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَذُوْبُ، وَخَيْرُ الْغِنىٰ غِنىٰ النَّفْسِ، وَخَيْرُ الزَّادِالتَّقْوىٰ، وَ رَأسُ الحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ، وَ خَيْرُ مَا وَقَرَ فِى الْقُلُوْبِ الْيَقِيْنُ، وَالْاِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ، وَالنِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَالْغُلُولُ مِنْ حَرِّجَهَنَّمَ، وَالْكَنْزُ كَيٌّ مِّنَ النَّارِ، وَالشِّعْرُمِنْ مَّزَامِيْرِ اِبْلِيْسَ، وَالخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ، وَشَرُّالمَاكِلِ مَالُ الْيَتِيْمِ، وَالسَّعِيْدُمَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ، وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِىَ فِىْ بَطْنِ أمِّه، وَمِلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُه وَشَرُّ الرَّوَايَا رَوَايَا الْكَذِبِ، وَكُلُّ مَاهُوَاتٍ قَرِيْبٌ، وَ سِبَابُ الْمُؤمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُه كُفْرٌ، وَأكْلُ لَحْمِهٖ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَحُرْمَةُمَالِهٖ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ، وَمَنْ يَتَألَّ عَلىٰ اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ، وَمَنْ يَغْفِرْ يُغْفَرْلَه، وَمَنْ يَعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَأجُرْهُ اللّٰهُ، وَمَنْ

يَصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَّبِعِ السُّمْعَةَ يُسَمِّعْهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَصْبِرْ يُضَعِّفِ اللّٰهُ لَهُ، وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ، ثُمَّ اسْتَغْفَرَ ثَلٰثاً."[1]

''ہر ایک کلام میں صدق میں بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے، سب سے بڑھ کر بھروسہ کی بات تقویٰ کا کلمہ ہے، سب ملتوں سے بہتر ملت، ابراہیم (علیہ السلام) کی ہے، سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد (ﷺ) کا ہے، سب باتوں پر اللہ کے ذکر کو شرف ہے، سب بیانات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے، بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں، امور میں بدترین امر وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہو، انبیاء کی روش سب روشوں سے خوب تر ہے، شہیدوں کی موت، موت کی سب قسموں سے بزرگ تر ہے، سب سے بڑھ کر اندھاپن وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہو جائے، عملوں میں وہ عمل اچھا ہے جو نفع دہ ہو، بہترین روش وہ ہے جس پر لوگ چل سکیں، بدترین کوری (اندھاپن) دل کی کوری ہے، بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، تھوڑا اور کافی مال اس بہتات سے اچھا ہے جو غفلت میں ڈال دے، بدترین معذرت وہ ہے جو جانکنی کے

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی ۵۔ ۲۴۱، ۲۴۲

وقت کی جائے، بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کو ہوگی،
بعض لوگ جمعہ کو آتے ہیں دل پیچھے لگے ہوتے ہیں، ان
میں بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں،
سب گناہوں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے، سب سے بڑی
تونگری دل کی تونگری ہے، سب سے عمدہ توشہ تقویٰ ہے،
دانائی یہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں ہو، دل نشین ہونے کے
لئے بہترین چیز یقین ہے، شک پیدا کرنا کفر (کی شاخ)
ہے، بین سے رونا جاہلیت کا کام ہے، خیانت کرنا عذابِ
جہنم کا سامان ہے، مال و دولت نار دوزخ کا داغ ہے، شعر
بلیس کا باجا گاجا ہے، شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے،
بدترین روزی یتیم کا مال کھانا ہے، سعادت مند وہ ہے جو
دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے، اصل بد بخت وہ ہے جو
ماں کے پیٹ ہی سے بد بخت ہو، عمل کا سرمایہ اس کا بہترین
انجام ہے، بدترین بات وہ ہے جو جھوٹی ہے، جو بات ہونے
والی ہے وہ بہت قریب ہے، مومن کو گالی دینا فسق ہے،
مومن کو قتل کرنا کفر ہے، مومن کا گوشت کھانا (اس کی غیبت
کرنا) اللہ کی معصیت ہے، مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی
حرام ہے جیسا کہ اس کا خون، جو خدا سے استغنا کرتا ہے خدا

اسے جھٹلاتا ہے، جو کسی کا عیب چھپاتا ہے خدا اس کے عیوب چھپاتا ہے، جو معافی دیتا ہے اسے معافی دی جاتی ہے، جو غصہ کو پی جاتا ہے خدا اسے اجر دیتا ہے، جو نقصان پر صبر کرتا ہے خدا اسے اجر دیتا ہے، جو چغلی کو پھیلاتا ہے خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے، جو صبر کرتا ہے خدا اسے بڑھاتا ہے، جو خدا کی نا فرمانی کرتا ہے، خدا اسے عذاب دیتا ہے، پھر تین مرتبہ استغفار پڑھ کر آنحضرت ﷺ نے اس خطبہ کو ختم فرمایا۔"

ایام قیام تبوک میں ذوالبجادینؓ کا انتقال ہوا اس مخلص کے ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مفلس و مخلص صحابہ پر کس قدر مزید لطف و عنایت فرماتے تھے، ان کا نام عبداللہ تھا، ابھی بچہ ہی تھے کہ باپ مر گیا، چچا نے پرورش کی تھی، جب جوان ہوئے تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام دے کر ان کی حیثیت درست کر دی تھی، عبداللہ نے اسلام کے متعلق کچھ سنا اور دل میں توحید کا ذوق پیدا ہوا، لیکن چچا سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اظہارِ اسلام نہ کر سکے، جب نبی کریم ﷺ فتح مکہ سے واپس گئے تو عبداللہ نے چچا سے جا کر کہا:

پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے گزر گئے کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور آپ کب مسلمان ہوتے ہیں لیکن آپ کا حال وہی پہلے کا سا چلا آتا ہے، میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا مجھے اجازت فرمایئے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

چچانے جواب دیا ''دیکھ اگر تو محمد (ﷺ) کا دین قبول کرنا چاہتا ہے تو میں سب کچھ تجھ سے چھین لوں گا، تیرے بدن پر چادر اور تہ بند تک باقی نہ رہنے دوں گا''

عبداللہ نے جواب دیا ''چچا صاحب! میں مسلمان ضرور بنوں گا اور محمد ﷺ کا اتباع ہی قبول کروں گا، شرک اور بت پرستی سے میں بیزار ہو چکا ہوں اب جو آپ کا منشا ہے کیجئے اور جو کچھ میرے قبضہ میں زر و مال وغیرہ ہے سب کچھ سنبھال لیجئے، میں جانتا ہوں کہ ان سب چیزوں کو آخر ایک روز یہیں دنیا میں چھوڑ جانا ہے اس لئے میں اس کے لئے سچے دین کو ترک نہیں کرسکتا۔

عبداللہ نے یہ کہہ کر کپڑے اتار دیئے اور ماں کے سامنے گئے، ماں دیکھ کر حیران ہوئی کہ کیا ہوا، عبداللہ نے کہا میں مومن اور موحّد ہو گیا ہوں، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں، ستر پوشی کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے، مہربانی کر کے دید یجئے، ماں نے ایک کمبل دے دیا، عبداللہ نے کمبل پھاڑ کر آدھے کا تہ بند بنالیا، آدھا اوڑھ لیا اور مدینہ کو روانہ ہو گئے، علی الصبح مدینہ مسجد نبوی میں پہنچ گئے اور مسجد سے تکیہ لگا کر منتظرانہ بیٹھ گئے، نبی کریم ﷺ جب مسجد مبارک میں آئے انہیں دیکھ کر پوچھا کون ہو؟ کہا میرا نام عبد العزیٰ ہے، فقیر و مسافر ہوں، عاشق جمال اور طالب ہدایت ہو کر درِ دولت آ پہنچا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تمہارا نام عبداللہ ہے، ذوالبجادین لقب، تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔''

حضرت عبداللہ اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے، نبی کریم ﷺ سے قرآن سیکھتے اور دن بھر عجب ذوق وشوق اور جوش ونشاط سے پڑھا کرتے۔

ایک دفعہ عمر فاروقؓ نے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ اعرابی اس قدر بلند آواز سے پڑھ رہا ہے کہ دوسروں کی قرأت میں مزاحمت ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمر! اسے کچھ نہ کہو یہ تو خدا اور رسول کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا ہے۔

عبداللہ کے سامنے غزوۂ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ میں بھی راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا جاؤ کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ، عبداللہ چھلکا لے آئے تو نبی کریم ﷺ نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھ دیا اور زبان مبارک سے فرمایا ''الٰہی میں کفار پر اس کا خون حرام کرتا ہوں'' عبداللہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! میں تو شہادت کا طالب ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب غزوہ کی نیت سے تم نکلو اور پھر تپ آجائے اور مر جاؤ تب بھی تم شہید ہی ہو گے۔''

تبوک پہنچ کر یہی ہوا کہ تپ چڑھی اور عالم بقا کو سدھار گئے، بلالؓ بن حارث مزنی کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ کے دفن کی کیفیت دیکھی ہے۔

رات کا وقت تھا حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں چراغ تھا، ابوبکرؓ وعمرؓ اس کی لاش کو لحد میں رکھ رہے تھے، نبی کریم ﷺ بھی اس کی قبر میں اترے تھے اور

ابو بکرؓ و عمرؓ سے فرما رہے تھے " اَدْنِیَا اِلَیَّ اَخَا کُمَا " اپنے بھائی کو مجھ سے قریب کرو، آنحضرت ﷺ نے قبر میں اینٹیں بھی اپنے ہاتھ سے رکھیں اور پھر دعا میں فرمایا؛ ''اے اللہ میں ان سے راضی ہوا تو بھی ان سے راضی ہو جا'' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کاش اس قبر میں مَیں دفن کیا جاتا۔ [1]

تبوک سے واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالمِ شوق میں استقبال کو نکلے یہاں تک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش میں گھروں سے نکل پڑیں۔

جو منافقین یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب محمد (ﷺ) اور ان کے دوست قید ہو کر کسی دور جزیرہ میں بھیجے جائیں گے اور صحیح و سالم مدینہ نہ پہنچیں گے، وہ اب پشیماں ہوئے اور انہوں نے ساتھ نہ چلنے کے جھوٹ موٹ عذر بنائے، نبی کریم ﷺ نے سب کو معافی دیدی، لیکن تین مخلص صحابی بھی تھے جو اپنی معمولی سستی و کاہلی کی وجہ سے ہمرکاب جانے سے رہ گئے تھے، ان کو اپنی صداقت کی وجہ سے امتحان بھی دینا پڑا۔

ان میں سے ایک بزرگ صحابیؓ نے اپنے متعلق جو کچھ اپنی زبان سے بیان کیا ہے میں اسی کو اس جگہ لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

یہ بزرگوار حضرت کعب بن مالک انصاریؓ ہیں اور ان ۷۳ر سابقین میں سے ہیں، جو عقبہ کی بیعت ثانیہ میں حاضر ہوئے تھے اور شعراء خاص میں سے تھے۔ [2] حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان کہ اس سفر میں میرا گھر پر رہ جانا

---

[1] مدارج النبوۃ، مترجم ۲۔۹۰، ۹۱، ابن ہشام ۲۔۵۲۷، ۵۲۸ [2] رحمۃ للعالمین ۱۔۱۴۲

ابتلاءِ محض تھا ایسا کرنے کا نہ میرا ارادہ تھا، نہ کوئی عذر تھا، سفر کا سامان مرتب تھا، عمدہ اونٹنیاں میرے پاس موجود تھیں، میری مالی حالت ایسی اچھی تھی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی، اس سفر کے لئے میں نے دو مضبوط شتر بھی خرید لئے تھے، حالانکہ اس سے پیشتر، میرے پاس دو اونٹ کبھی نہ ہوئے تھے، لوگ سفر کی تیاری کرتے تھے اور مجھے ذرا تردّد نہ تھا، میں نے سوچ رکھا تھا کہ جس روز کوچ ہوگا میں چل پڑوں گا، لشکر اسلام جس روز روانہ ہوا مجھے کچھ تھوڑا سا کام تھا میں نے کہا خیر میں کل جا ملوں گا، دو تین روز اسی طرح سستی اور تذبذب میں گذر گئے، اب لشکر اتنی دور نکل گیا تھا کہ اس کا مل سکنا مشکل ہو گیا، مجھے نہایت صدمہ تھا کہ یہ کیا ہوا۔

میں ایک روز گھر سے نکلا مجھے ان منافقین کے سوا جو جھوٹ موٹ عذر کرنے کے عادی تھے یا جو معذور تھے، اور کوئی بھی راستہ میں نہ ملا، یہ دیکھ کر میرے تن بدن کو رنج و غم کی آگ لگ گئی، یہ دن میرے اس طرح گذر گئے کہ نبی کریم ﷺ واپس بھی تشریف لے آئے، اب میں حیران تھا کہ کیا کروں اور کیا کہوں اور کیونکر خدا کے رسول ﷺ کے عتاب سے بچاؤ کروں، لوگوں نے مجھے بعض حیلے بہانے بتائے، مگر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ نجات سچ ہی سے مل سکتی ہے، آخر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ نے مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا، تبسم خشم آمیز تھا، میرے تو ہوش اسی وقت جاتے رہے۔

نبی کریم ﷺ نے پوچھا کعب تم کیوں رہ گئے تھے، کیا تمہارے پاس کوئی سامان مہیا نہ تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس تو سب

کچھ تھا، میرے نفس نے مجھے غافل بنایا، کاہلی نے مجھ پر غلبہ کیا، شیطان نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھے حرمان وخِذلان کے گرداب میں ڈال دیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے گھر ٹھہرو اور حکم الٰہی کا انتظار کرو''

بعض لوگوں نے کہا دیکھو! اگر تم بھی کوئی حیلہ بنا لیتے تو ایسا نہ ہوتا، میں نے کہا ''وحی الٰہی سے میرا جھوٹ کھل جاتا اور میں کہیں کا بھی نہ رہتا، معاملہ کسی دنیادار سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہے'' میں نے دریافت کیا کہ ''جو حکم میرے لئے ہوا ہے کسی اور کے لئے بھی ہوا ہے؟'' لوگوں نے کہا ''ہاں ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن ربیع کی بھی یہی حالت ہے'' یہ سن کر مجھے ذرا تسلی ہوئی کہ دو مرد صالح اور بھی مجھ جیسی حالت میں ہیں۔

پھر رسولِ خدا ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ہمارے ساتھ بات چیت نہ کرے اور نہ ہمارے پاس آ کر بیٹھے، اب زندگی اور دنیا ہمارے لئے وبال معلوم ہونے لگی، ان دنوں میں ہلالؓ اور مرارہؓ تو گھر سے باہر بھی نہ نکلے کیونکہ وہ بوڑھے بھی تھے لیکن میں جوان اور دلیر تھا گھر سے نکلتا مسجد نبوی میں جاتا، نماز پڑھ کر مسجد مبارک کے ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا۔

نبی کریم ﷺ محبت بھری نگاہ اور گوشۂ چشم سے مجھے دیکھا کرتے، میری شکستگی کو ملاحظہ فرماتے، اور جب میں حضور ﷺ کی جانب آنکھ اٹھاتا تو حضور ﷺ اعراض فرماتے۔

مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ نہ کوئی مجھ سے بات کرتا نہ کوئی میرے سلام کا

جواب دیتا، ایک روز میں نہایت رنج والم میں مدینہ سے باہر نکلا ابو قتادہؓ میرا چچیرا بھائی تھا اور ہم دونوں میں نہایت محبت تھی سامنے اس کا باغ تھا وہ باغ میں کچھ عمارت بنوا رہا تھا، میں اس کے پاس چلا گیا اسے سلام کیا تو اس نے جواب تک نہ دیا اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا، میں نے کہا ''ابو قتادہؓ! تم خوب جانتے ہو کہ میں خدا اور رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق وشرک کا میرے دل پر اثر نہیں، پھر تم کیوں مجھ سے بات نہیں کرتے؟'' ابو قتادہ نے اب بھی جواب نہ دیا، جب میں نے تین بار اسی بات کو دہرایا تو چچیرے بھائی نے صرف اس قدر جواب دیا کہ ''اللہ اور رسول ﷺ ہی کو خوب معلوم ہے'' مجھے بہت ہی رقت ہوئی اور خوب ہی رویا، میں شہر میں لوٹ کر آیا تو مجھے ایک عیسائی ملا، یہ مدینہ میں مجھے تلاش کر رہا تھا، لوگوں نے بتا دیا کہ وہ یہی شخص ہے، اس کے پاس بادشاہ غسان کا ایک خط میرے نام تھا، خط میں لکھا تھا:

> ''ہم نے سنا ہے کہ تمہارا آقا تم سے ناراض ہو گیا ہے، تم کو اپنے سامنے سے نکال دیا ہے اور باقی سب لوگ بھی تم پر جور وجفا کر رہے ہیں، ہم کو تمہارے درجہ ومنزلت کا حال بخوبی معلوم ہے اور تم ایسے نہیں ہو کہ کوئی تم سے ذرا بھی بے التفاتی کرے یا تمہاری عزت کے خلاف تم سے سلوک کیا جائے، اب تم یہ خط پڑھتے ہی میرے پاس چلے آؤ اور آ کر دیکھو کہ میں تمہارا اعزاز واکرام کیا کچھ کر سکتا ہوں۔''

خط پڑھتے ہی میں نے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت مجھ پر پڑی، اس سے

بڑھ کر مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے؟ کہ آج ایک عیسائی مجھ پر اور میرے دین پر قابو پانے کی آرزو کرنے لگا ہے اور مجھے کفر کی دعوت دیتا ہے، اس خیال سے میرا رنج واندوہ چند در چند بڑھ گیا، خط کو قاصد کے سامنے ہی میں نے آگ میں ڈال دیا اور کہہ دیا ''جاؤ کہہ دینا کہ آپ کی عنایات و التفات سے مجھے اپنے آقا (ﷺ) کی بے التفاتی لاکھ درجہ بہتر و خوشتر ہے۔''

میں گھر پہنچا تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک شخص آیا ہوا موجود ہے، اس نے کہا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ''تم اپنی بیوی سے علیٰحدہ رہا کرو'' میں نے پوچھا ''کیا طلاق کا حکم دیا ہے؟'' کہا نہیں، صرف علیٰحدہ رہنے کو فرمایا ہے، یہ سن کر اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیجدیا، مجھے معلوم ہوا کہ ہلالؓ اور مرارہؓ کے پاس بھی یہی حکم پہنچا تھا، ہلالؓ کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہلال کمزور اور ضعیف ہیں اور ان کی خدمت کے لئے کوئی خادم بھی نہیں اگر اذن ہو تو میں ان کی خدمت کرتی رہوں، فرمایا ''ہاں اس کے بستر سے دور رہو'' عورت نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! ہلال کا رنج وغم سے ایسا حال ہے کہ انہیں تو اور کوئی بھی خیال نہیں رہا۔

اب مجھے لوگوں نے کہا تم بھی اجازت لے لو کہ تمہاری بیوی تمہارا کام کاج تو کر دیا کرے میں نے کہا ''میں تو ایسی جرأت نہیں کرنے کا، کیا خبر حضور ﷺ اجازت دیں یا نہ دیں، اور میں جوان ہوں اپنا کام خود کر سکتا ہوں مجھے خدمت کی ضرورت نہیں۔

الغرض اسی طرح مصیبت کے پچاس دن گذر گئے، ایک رات میں اپنی چھت پر لیٹا ہوا تھا اور اپنی مصیبت پر سخت نالاں تھا کہ کوہ سلع پر چڑھ کے جو میرے گھر کے قریب تھا، حضرت ابوبکرؓ صدیق نے آواز دی کعبؓ کو مبارک ہو کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی، یہ آواز سنتے ہی میرے دوست واحباب دوڑ پڑے اور مبارکباد کہنے لگے کہ مخلص کی توبہ قبول، میں نے یہ سنتے ہی پیشانی کو خاک پر رکھ دیا اور سجدۂ شکرانہ ادا کیا اور پھر دوڑا دوڑا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نبی کریم ﷺ مہاجرین وانصار میں تشریف فرماتھے مجھے دیکھ کر مہاجرین نے مبارکباد دی اور انصار خاموش رہے، میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا، اس وقت چہرۂ مبارک خوشی ومسرت سے چودھویں کے چاند کی طرح تاباں ودرخشاں ہو رہا تھا اور عادتِ مبارک تھی کہ خوشی میں چہرۂ مبارک اور بھی زیادہ روشن ہوجاتا تھا، مجھے فرمایا ''کعبؓ مبارک! اس بہترین دن کے لئے جب سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا کوئی دن ایسا مبارک تجھ پر آج تک نہیں گذرا، آؤ، تمہاری توبہ کو رب العلمین نے قبول فرمالیا ہے۔''

میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اس قبولیت کے شکرانہ میں اپنا کل مال راہِ خدا میں صدقہ دیتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''نہیں'' میں نے عرض کیا ''نصف'' فرمایا ''نہیں'' میں نے عرض کیا ''ثلث'' فرمایا، ہاں ثلث خوب ہے اور ثلث بھی بہت ہے۔[1]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالکؓ

منافقین ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں میں کسی طرح پھوٹ ڈال دیں، ایک مدت سے وہ اس خیال میں تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہیں ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائیں کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں یہاں آکر نماز ادا کرلیا کریں، ابو عامرؔ جو انصار میں سے عیسائی ہوگیا تھا اس نے منافقین سے کہا تم سامان کرو، میں قیصرؔ کے پاس جاکر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کردے۔

آنحضرت ﷺ جب تبوکؔ تشریف لیجانے لگے تو منافقین نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد تیار کی ہے، آپ چل کر اس میں ایک دفعہ نماز پڑھادیں تو مقبول ہو جائے، آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت میں مہم پر جارہا ہوں، جب تبوکؔ سے واپس پھرے تو حضرت مالکؔ اور حضرت معنؔ بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر مسجد میں آگ لگادیں، اسی مسجد کی شان میں یہ آیتیں اتری ہیں۔[۱]

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ، فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ (توبہ)

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ۲۔۵۲۹،۵۳۰، زادالمعاد ۳۔۵۴۹

''اوران میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہونچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جولوگ خدا اوراس کے رسول (ﷺ) سے پہلے جنگ کر چکے ہیں ان کے گھات کی جگہ بنائیں، اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی، مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں، تم اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہونا، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس میں جایا کرو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور خدا پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔''

وفد دوس

طفیل بن عمرؓ دوسی کے اسلام لانے کا ذکر اس کتاب میں پہلے آچکا ہے، اسلام کے بعد جب یہ بزرگوار وطن کو جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرمایئے کہ میری قوم بھی میری دعوت پر مسلمان ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی، خدایا طفیل کو تو ایک نشان (آیت) بنادے، حضرت طفیلؓ گھر پہنچے تو بوڑھے باپ ملنے کے لئے آئے، حضرت طفیلؓ نے کہا، بابا جان اب نہ میں آپ کا ہوں اور نہ آپ میرے ہیں، انہوں نے کہا کیوں؟

حضرت طفیلؓ نے کہا محمد ﷺ کا دین قبول کر کے اور مسلمان ہو کے آیا ہوں، انہوں نے کہا بیٹا جو تیرا دین ہے وہی میرا بھی دین ہے، حضرت طفیلؓ نے کہا خوب، تب آپ اٹھیئے، غسل فرمایئے، پاک کپڑے پہن کر تشریف لایئے تا کہ میں اسلام کی تعلیم دوں، پھر حضرت طفیلؓ کی بیوی آئی، اس سے بھی اسی طرح بات چیت ہوئی اور وہ بھی مسلمان ہوگئی، اب حضرت طفیلؓ نے اسلام کی منادی شروع کر دی لیکن لوگ کچھ مسلمان نہ ہوئے۔[۱]

حضرت طفیلؓ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے، عرض کیا میری قوم میں زنا کی کثرت ہے۔ (چونکہ اسلام زنا کو سختی سے حرام ٹھہراتا ہے) اس لئے لوگ مسلمان نہیں ہوئے، حضور ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی ''نبی کریم ﷺ نے کہا: اللّٰھمّ اھدِ دَوساً[۲] (اے خدا دوس کو سیدھا راستہ دکھا) پھر حضرت طفیلؓ سے فرمایا ''جاؤ'' لوگوں کو دین خدا کی طرف بلاؤ، ان سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرو۔

اس دفعہ حضرت طفیلؓ کو اچھی کامیابی ہوئی، وہ ۵ھ میں دوس کے ستر اسی لوگوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیبر گئے ہوئے ہیں، اس لئے خیبر ہی پہنچ کر انہوں نے شرف حضوری حاصل کیا اور یہ سب لوگ بھی خیبر ہی میں نبی ﷺ کے دیدار سے مشرف

---

[۱] زادالمعاد ۳۔۶۲۵

[۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصة دوس

ہوئے،[۱] نبی کریم ﷺ کے چچیرے بھائی بھی حبش سے وہاں کے حبشی قبائل کو جو مسلمان ہو چکے تھے لے کر خیبر ہی جا پہنچے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا حبش سے وہاں کے نومسلموں کو لے کر اور حضرت طفیل بن عمرو کا یمن سے دوس کے نومسلم خاندانوں کو لے کر خیبر میں پہنچ جانا گویا یہودیوں کو خدا کی طرف سے یہ بتا دینا تھا کہ جس نبی ﷺ کی تعلیم ایسے دور دراز ملکوں میں دلوں کے قلعوں کو آسانی سے فتح کر رہی ہے، اس کی مخالفت میں اپنے اینٹ پتھر کے قلعوں کے اوپر بھروسہ کرنا کس قدر بے بنیاد بات ہے۔[۲]

وفد ثقیف

ثقیف میں سب سے پہلا شخص جو تعلیم اسلام حاصل کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا تھا وہ حضرت عروہ بن مسعودؓ ثقفی تھے، یہ اپنی قوم کے سردار تھے، اور صلح حدیبیہ میں کفار مکہ کے وکیل بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے، جنگ ہوازن وثقیف کے بعد جذبۂ توفیقِ الٰہی سے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، حضرت عروہ کے گھر میں دس بیویاں تھیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم ان میں سے چار کو رکھ کر باقی کو طلاق دیدو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔[۳]

---

۱ زاد المعاد ۳۔۶۲۵، ۶۲۶ ۲ رحمۃ للعالمین ۱۔۱۶۳

۳ دلائل النبوۃ ۵۔۲۹۹، زاد المعاد ۳۔۴۹۸

جب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اسلام سیکھ چکے تو انہوں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اب مجھے اپنی قوم میں اسلام کی منادی کرنے کی اجازت فرمادی جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہاری قوم تمہیں قتل کردیگی، حضرت عروہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری قوم کو مجھ سے اتنی محبت ہے جتنی کسی عاشق کو اپنے معشوق سے ہوتی ہے، یہ بزرگوار اپنی قوم آئے اور وعظ اسلام شروع کردیا، ایک روز اپنے بالاخانہ میں نماز پڑھ رہے تھے، کسی شقی نے تیر چلایا، جس سے یہ شہید ہوگئے۔[1]

اگر چہ حضرت عروہؓ جانبر نہ ہوئے لیکن جو آواز انہوں نے قوم کے کانوں تک پہنچائی تھی وہ دلوں پر اثر کئے بغیر نہ رہی، تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ قوم نے اپنے چند سرکردوں کو منتخب کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس لئے بھیجا کہ اسلام کی نسبت پوری واقفیت حاصل کریں۔

یہ وفد ۹ھ میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تھا، وفد کا سردار عبد یالیل تھا، جس کے سمجھانے کو نبی کریم ﷺ کو طائف پر ۱۰ نبوت میں گئے تھے، اور اس نے وعظ سننے سے انکار کر کے آبادی کے لڑکوں اور اوباشوں کو نبی کریم ﷺ کی تضحیک وتحقیر کے لئے مقرر کردیا تھا، اور جس کے اشارے سے طائف میں رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے گئے اور کیچڑ پھینکی گئی تھی۔

نبی کریم ﷺ نے وہاں سے آتے ہوئے یہ فرمادیا تھا کہ میں ان کی بربادی کے لئے دعا نہیں کروں گا، کیونکہ اگر یہ خود اسلام نہ لائیں گے تو ان کی

---

[1] مستدرک حاکم ۳۔۶۱۳

آئندہ نسلوں کو خدا ایمان عطا کرے گا، اب وہی دشمن اسلام خود بخود اسلام کے لئے اپنے دل میں جگہ پاتے، اور دلی وروحی طلب سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یہ (اہل ثقیف) میری قوم کے لوگ ہیں میں انہیں اپنے پاس اتارلوں اوران کی تواضع کروں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَا أَمْنَعُکَ أَنْ تُکْرِمَ قَوْمَکَ" میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو لیکن ان کو ایسی جگہ اتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے۔

الغرض ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگائے گئے، جہاں سے یہ قرآن بھی سنتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھتے بھی دیکھتے، اس تدبیر سے ان کے دلوں پر اسلام کی صداقت کا اثر پڑا، انہوں نے نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعتِ اسلام کی، اور بیعت سے پہلے یہ درخواست کی کہ ہم کو ترکِ نماز کی اجازت دی جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لَا خَیْرَ فِیْ دِیْنٍ لَیْسَ فِیْهِ رُکُوْعٌ" (جس مذہب میں نماز نہیں، اس میں کوئی بھی خوبی نہیں) پھر انہوں نے کہا اچھا ہمیں جہاد کے لئے نہ بلایا جائے اور نہ زکوٰۃ ہم سے لی جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ شرط قبول فرمالی اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے۔[1]

---

[1] یہ حصہ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب ماجاء فی خبر الطائف میں بھی مذکور ہے۔

کنانہ ابن عبد یالیل نے جوان کا سردار تھا، مختلف اوقات میں نبی کریم ﷺ سے مندرجہ ذیل مسائل پر بھی گفتگو کی۔

۱۔ یارسول اللہ (ﷺ)! زنا کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، ہماری قوم کے لوگ اکثر وطن سے دور رہتے ہیں اس لئے زنا کے بغیر چارہ ہی نہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زنا تو حرام ہے، اور اللہ پاک کا اس کے لئے یہ حکم ہے:

﴿لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰیٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل، ع ۴)

"تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ تو سخت بے حیائی اور بہت برا طریق ہے۔"

۲۔ یارسول اللہ (ﷺ)! سود کے بارے میں حضور کیا فرماتے ہیں، یہ تو بالکل ہمارا ہی مال ہوتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنا اصل روپیہ لے لو، دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا﴾

(بقرۃ: ع ۳۸) "اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو لینا رہ گیا ہے وہ بھی چھوڑ دو۔"

۳۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! خمر (شراب) کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، یہ تو ہمارے ہی ملک کا عرق ہے اس کے بغیر تو ہم رہ نہیں سکتے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ، فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

(مائدہ ع۱۲) ''اے ایمان والو! شراب، جوا، انصاب، وازلام، ناپاک اور گندے ہیں، شیطان کے کام ہیں، ان سے بچا کرو تا کہ فلاح پاؤ''

دوسرے روز اس نے آ کر کہا خیر ہم آپ کی باتیں مان لیں گے لیکن (ربّہ) کو کیا کریں؟ (ربّہ مؤنث ہے لفظ رب کا، جس دیوی کے بت کو یہ پوجا کرتے تھے اسے ربّہ کہا کرتے تھے) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے گرادو۔

وفد کے لوگوں نے کہا، ہائے ہائے اگر ربّہ کو خبر ہوگئی کہ آپ اسے گرا دینا چاہتے ہیں تو وہ ہم لوگوں کو تباہ کر ڈالے گی۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا افسوس ابن عبد یالیل تم اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ تو صرف پتھر ہی ہے، ابن عبد یالیل نے کھسیانے ہو کر کہا عمرؓ ہم تجھ سے بات کرنے نہیں آئے، پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

اسے گرانے کی ذمہ داری حضورؐ خود لیں کیونکہ ہم تو اسے کبھی نہیں گرانے کے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیر میں گرا دینے والے کو بھی بھیج دونگا، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اس شخص کو آپ ہمارے بعد روانہ کیجئے گا، وہ ہمارے ساتھ نہ جائے۔

الغرض یہ لوگ جتنے حاضر ہوئے تھے وہ مسلمان ہو کر وطن کو واپس چلے گئے، انہوں نے چلتے وقت کہا کہ ہمارے لئے کوئی امام مقرر کر دیجئے۔

ان ہی میں ایک شخص حضرت عثمان بن ابوالعاص تھے جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے وہ قوم سے خفیہ قرآن مجید اور احکام شریعت سیکھتے رہتے تھے، کبھی

رسول اللہ ﷺ سے، کبھی ابو بکر صدیق سے سیکھ لیا کرتے، آنحضرت ﷺ نے انہیں کو ان کا امام مقرر فرما دیا۔

وفد نے راستہ میں یہ مشورہ کیا کہ اپنا اسلام چھپا کر پہلے قوم کو مایوس کر دینا چاہیئے، جب یہ وطن پہنچ گئے تو قوم نے پوچھا کہو کیا حال ہوا؟

وفد نے کہا (معاذ اللہ) ہمیں ایک سخت خو، درشت گو شخص سے سابقہ پڑا جو ہمیں ان ہونی باتوں کا حکم دیتا ہے، مثلاً لات وعزیٰ کو توڑ دینا، تمام سودی روپیہ کو چھوڑ دینا، شراب، زنا کو حرام سمجھنا، قوم نے قسم کھا کر کہا ہم ان باتوں کو کبھی نہیں ماننے کے۔

وفد نے کہا اچھا ہتھیاروں کو درست کرو اور جنگ کی تیاری کرو، قلعوں کی مرمت کرلو، دو دن تک ثقیف اسی ارادہ پر جمے رہے، تیسرے روز خود بخود ہی کہنے لگے:

بھلا محمد (ﷺ) کے ساتھ ہم کیونکر لڑ سکیں گے، سارا عرب تو ان کی اطاعت کر رہا ہے پھر وفد کے لوگوں سے کہا جاؤ جو کچھ وہ کہتے ہیں قبول کرلو۔

وفد نے کہا، اب ہم تم کو صحیح صحیح بتاتے ہیں، ہم نے محمد ﷺ کو تقویٰ میں اور وفا میں، رحم میں اور صدق میں، سب ہی سے بڑھ کر پایا، ہم تم سب کو اس سفر سے بڑی برکت حاصل ہوئی۔

قوم نے کہا کہ تم نے ہم سے یہ راز کیوں پوشیدہ رکھا اور ہم کو ایسے سخت غم والم میں کیوں ڈالا؟ وفد نے کہا مدعا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطانی غرور نکال دے، اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔

چند روز کے بعد وہاں رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے اشخاص حضرت خالدؓ بن ولید کی امارت میں پہنچ گئے، انہوں نے لاتؔ کے گرادینے کی کاروائی کا آغاز کرنا چاہا، ثقیف کے سب مردوزن، بوڑھے بچے، اس کام کو دشوار سمجھے ہوئے تھے، پردہ نشین عورتیں بھی یہ تماشا دیکھنے نکل آئی تھیں، حضرتؔ مغیرہ بن شعبہ نے اس کے توڑنے کے لئے تیر چلایا، مگر اپنے زور میں خود ہی گر پڑے، یہ دیکھ کر ثقیفؔ والے پکار اٹھے، خدا نے مغیرہ کو دھتکار دیا اور یہ ربّہ نے اسے قتل کر ڈالا، اب خوش خوش ہو کر کہنے لگے تم کچھ ہی کوشش کرو مگر اسے نہیں گرا سکتے۔

حضرت مغیؔرہ بن شعبہ نے کہا ثقیف والو! تم بہت ہی بے وقوف ہو، یہ پتھر کا ٹکڑا کر ہی کیا سکتا ہے، لوگو! خدا کی عافیت قبول کرو اور اسی کی بندگی کرو، پھر اس مورتی گھر کا دروازہ بند کر کے مغیرہ نے اول اس بت کو توڑا اور پھر اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور انہیں گرانا شروع کر دیا، باقی مسلمان بھی دیواروں پر چڑھے اور اس عمارت کا ایک ایک پتھر گرا کے چھوڑا۔

مورتی کا پجاری کہنے لگا کہ مورتی گھر کی بنیاد انہیں ضرور غرق کر دے گی، حضرت مغیؔرہ نے وہ سنا تو بنیاد بھی ساری کھود ڈالی اور اس طرح قوم کے دلوں میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔[1]

---

[1] زادالمعاد ۳۔۵۹۶ تا ۵۹۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵۔۲۹۹ تا ۳۰۴ میں وفد ثقیف کا پورا واقعہ تفصیل سے موجود ہے۔

وفد عبد القیس

قبیلہ عبد القیس کا وفد خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا تم کس قوم سے ہو؟ عرض کیا قوم ربیعہ سے، نبی کریم ﷺ نے انہیں خوش آمدید فرمایا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارے اور حضورؐ کے درمیان قبیلہ مضر کے کافر آباد ہیں، ہم شہر حرام ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، اس لئے صاف واضح طور پر سمجھا دیا جائے، جس پر ہم بھی عمل کرتے رہیں اور قوم کے باقی ماندہ اشخاص بھی۔

فرمایا: میں چار چیزوں پر عمل کرنے اور چار چیزوں سے بچے رہنے کا حکم دیتا ہوں، جن چیزوں کے کرنے کا حکم ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) اکیلے خدا پر ایمان لانا اس سے مراد یہ ہے کی ﴿لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَـمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰـهِ﴾ کی شہادت ادا کرنا۔ (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) رمضان کے روزے اور مالِ غنیمت سے خمس نکالنا۔

چار چیزیں جن سے بچنے کا حکم ہے، یہ ہیں:

(۱) دُبّا (۲) حَنتُم (۳) نقیر (۴) مُزَفَّت۔[1] ان باتوں کو یاد رکھو اور پچھلوں کو بھی بتا دو۔[2]

---

[1] "دُبَّاء" کدو کے چھلکے کو کہتے ہیں جس کو سکھا لیا جاتا ہے۔ "حَنتُم" سبز گھڑا "نَقِیر" درخت کی جڑ کی لکڑی کو اندر سے کھود لیا کرتے تھے، اس برتن کو "نقیر" کہتے ہیں، "مُزَفَّت" تارکول کو برتن میں لگا لیا کرتے تھے اور ان سب برتنوں کو نشہ آور چیزوں کے لئے استعمال کرتے تھے اس لئے آپؐ نے منع فرما دیا۔

[2] صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس فی الایمان، اس کے علاوہ نو جگہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو نقل کیا ہے، امام مسلمؒ نے بھی صحیح مسلم میں یہ حدیث ذکر کی ہے، کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللہ۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور ﷺ کو کیا معلوم ہے کہ نقیر کیا ہوتی ہے؟ فرمایا جانتا ہوں، کھجور کے تنے کو کھودتے ہو اور اس میں کھجوریں ڈالا کرتے ہو، اس پر پانی ڈالتے ہو اس میں جوش پیدا ہوتا ہے، جب جوش بیٹھ جاتا ہے تب پیا کرتے ہو، ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی (اس نشہ میں) اپنے چچیرے بھائی کو بھی قتل کر ڈالے، (عجیب بات یہ کہ اسی وفد میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے نقیر کے نشہ میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔)

ان لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہؐ! ہم کیسے برتن میں پانی پیا کریں، فرمایا مشکوں میں، جن کا منھ باندھ دیا جاتا ہے، انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! ہمارے یہاں چوہے بکثرت ہوتے ہیں، اس لئے وہاں چمڑے کی مشکیں سالم نہیں رہ سکتیں ہیں، فرمایا خواہ سالم ہی نہ رہیں۔[1]

اسی وفد کے ساتھ جارود بن معلّی بھی آیا تھا، یہ مسیحی المذہب تھا، اس نے کہا یا رسول اللہؐ! میں اس وقت بھی ایک مذہب رکھتا ہوں اگر ہم اسے چھوڑ کر آپ کے دین میں داخل ہو جائیں، تو کیا آپ ہمارے ضامن بن سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں! میں ضامن بنتا ہوں، کیونکہ جس مذہب کی میں دعوت دے رہا ہوں یہ اس سے بہتر ہے جس پر تم اب ہو۔

جارود کے ساتھ اور بھی عیسائی مسلمان ہو گئے تھے۔[2]

---

[1] دلائل النبوۃ ۵۔۳۶۶

[2] دلائل النبوۃ ۵۔۳۲۸، ابن ہشام ۲۔۵۷۵

وفد بنو حنیفہ

بنو حنیفہ کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ثمامہ بن اُثالؓ کی کوشش سے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی تھی، یہ وفد مدینہ آکر مسلمان ہوا تھا، اسی وفد کے ساتھ مسیلمہ کذّاب بھی تھا، وہ مدینہ آکر لوگوں میں کہنے لگا کہ اگر محمدؐ صاحب یہ اقرار کریں کہ ان کا جانشین مجھے بنایا جائے گا تو میں بیعت کروں گا، نبی کریم ﷺ نے یہ سنا، حضور ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی، فرمایا میں تو اس چھڑی کے دینے کی شرط پر بھی بیعت لینا نہیں چاہتا، اگر وہ بیعت نہ کرے گا تو خدا اسے تباہ فرمائے گا، اس کا انجام خدا تعالیٰ نے مجھے دکھا دیا ہے، یعنی میں نے خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں مجھے وہ ناگوار معلوم ہوئے، خواب ہی میں وحی سے معلوم ہوا کہ انہیں پھونک سے اڑا دو، میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، میں خیال کرتا ہوں کہ ان سے مراد مسیلمہ صاحب یمامہ اور عنسی صاحب صنعا ہے۔[1]

قبیلہ طے کا وفد

قبیلہ بنو طے کا وفد جس کا سردار زید الخیل تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''عرب کے جس شخص کی تعریف میرے سامنے ہوئی وہ دیکھنے کے وقت اس سے کم ہی نکلا، ایک زید الخیل اس سے مستثنیٰ ہے،

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ

پھراس کا نام زید الخیر رکھ دیا، یہ سب لوگ ضروری گفتگو کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔[1]

قبیلہ اشعریہ (جو اہل یمن تھے) کا وفد حاضر ہوا، ان کے آنے پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''اہل یمن آئے، جن کے دل نہایت نرم اور ضعیف ہیں، ایمان یمنیوں کا ہے اور حکمت یمنیوں کی، مسکنت بکریوں والوں میں، فخر اور غرور اونٹ والوں میں ہے، جو مشرق کی طرف رہتے ہیں''[2]

جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے:

غداً نُلاقِی الاَحِبَّة　　　محمداً و حِزبَه[3]

''کل ہم اپنے دوستوں، یعنی محمد ﷺ اور ان کے ساتھ والوں سے ملیں گے۔''

وفدِ ازد

یہ وفد سات شخصوں کا تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی وضع قطع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم مومن ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر ایک قول کی حقیقت ہوتی ہے، بتاؤ کہ تمہارے قول اور ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم پندرہ خصلتیں رکھتے ہیں، پانچ وہ ہیں جن پر اعتقاد رکھنے کا ذکر آپ کے

---

[1] ابن ہشام ۲۔۵۷۷

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعریین واھل الیمن

[3] مسند احمد ۳۔۱۰۵،۱۵۵ باسناد صحیح

قاصدوں نے کیا، اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم آپ نے فرمایا، پانچ وہ ہیں جن پر ہم پہلے سے پابند ہیں۔

پانچ باتیں جن پر حضور ﷺ کے مبلغین نے ایمان لانے کا حکم دیا، یہ ہیں: ایمان خدا پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر۔

پانچ باتیں عمل کرنے کی ہم کو یہ بتائی گئی ہیں:

﴿لا الٰہ الا اللہ﴾ کہنا، پانچ وقت کی نمازوں کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت الحرام کا حج کرنا جسے راہ کی استطاعت ہو۔

پانچ باتیں جو پہلے سے معلوم ہیں، یہ ہیں:

آسودگی کے وقت شکر کرنا، مصیبت کے وقت صبر کرنا، قضائے الٰہی پر رضامند ہونا، امتحان کے وقت ثابت قدم رہنا، دشمنوں کو بھی گالی گلوج نہ کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنہوں نے ان باتوں کی تعلیم دی وہ حکیم و عالم تھے اور ان کی دانشمندی سے معلوم ہوتا ہے گویا انبیاء تھے، اچھا پانچ چیزیں اور بتا دیتا ہوں تاکہ پوری بیس خصلتیں ہو جائیں:

(۱) وہ چیزیں جمع نہ کرو جسے کھانا نہ ہو۔

(۲) وہ مکان نہ بناؤ جس میں بسنا نہ ہو۔

(۳) ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو جنھیں کل کو چھوڑ دینا ہو۔

(۴) خدا کا تقویٰ رکھو جس کی طرف لوٹ کر جانا اور جس کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

(۵) ان چیزوں کی رغبت رکھو جو آخرت میں تمہارے کام آئیں گی جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔[1]

عرب کا جتنا شمالی حصہ سلطنت قسطنطنیہ کے قبضہ میں تھا، اس سارے علاقہ کا گورنر فروہ بن عمرو تھا، اس کا دارالحکومت معان تھا، فلسطین کا متصلہ علاقہ بھی اسی کی حکومت میں تھا۔

نبی کریم ﷺ نے اسے نامۂ مبارک (دعوت اسلام کا) بھیجا تھا، فروہؓ نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک قاصد روانہ کیا اور ایک سفید قیمتی خچر ہدیہ میں بھیجا۔

جب بادشاہ قسطنطنیہ کو ان کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع ملی تو انہیں حکومت سے واپس بلا لیا، پہلے اسلام سے پھر جانے کی ترغیب دیتا رہا، جب حضرت فروہؓ نے انکار کیا تو انہیں قید کر دیا آخر یہ رائے ہوئی کہ انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے، شہر فلسطین میں عفراء نامی تالاب پر انہیں پھانسی دے دی گئی۔

جان دینے سے پیشتر یہ شعر پڑھا: ع

بَلّغ سَراۃَ المسلمین بأننی ۔۔۔ سِلمٌ لربیّ أعظُمِی وَ مَقَامِیْ[2]

وفدِ ہمدان

یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا، ان میں اشاعت اسلام کے لئے خالدؓ بن ولید کو

---

[1] زادالمعاد ۳۔۶۷۲،۶۷۳، الاصابہ ۳۔۱۵۱ [2] زادالمعاد ۳۔۶۴۶، ابن ہشام ۲۔ ۵۹۲

بھیجا گیا تھا، وہ وہاں دیر تک رہے، اسلام نہ پھیلا، نبی کریم ﷺ نے علی مرتضیٰؓ کو اس قبیلہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے مامور فرمایا، ان کے فیضان سے تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔

سیدنا علی کا خط نبی کریم ﷺ نے سنا تو سجدۂ شکرانہ ادا کیا اور زبانِ مبارک سے فرمایا ''اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَان'' (ہمدان والوں کو سلامتی ملے)[1]
یہ وفد ان ہی لوگوں کا تھا جو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے اور دیدار نبویؐ سے مشرف ہونے آئے تھے۔

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں مکہ میں سوق المجاز میں کھڑا تھا اتنے میں ایک شخص آیا جو پکار پکار کر کہتا تھا:

''يَا اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا'' (لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے) ایک دوسرا شخص اس کے پیچھے پیچھے آیا جو کنکریاں اسے مارتا تھا اور کہتا تھا:

''يَا اَيُّهَا النَّاسُ لَا تُصَدِّقُوْهُ فَاِنَّهٗ كَذَّابٌ'' (لوگو! اسے سچا نہ سمجھو یہ تو جھوٹا شخص ہے) میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟

لوگوں نے کہا کہ یہ تو بنی ہاشم کا ایک فرد ہے، جو اپنے آپ کو رسولُ اللہ سمجھتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا عبد العزیٰ ہے (ابولہب کا نام عبد العزیٰ تھا) طارق کہتے ہیں کہ اس کے بعد برسوں گذر گئے، نبی کریم ﷺ مدینہ جا رہے

---

[1] سنن بیہقی ۲۔۳۶۹، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث علیؓ و خالدؓ الی الیمن

تھے، اس وقت ہماری قوم کے چند لوگ جن میں میں بھی تھا، مدینہ گئے، تا کہ وہاں کی کھجوریں مول لائیں، جب مدینہ کی آبادی کے متصل پہنچ گئے تو ہم اس لئے ٹھہر گئے کہ سفر کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے بدل کر شہر میں داخل ہوں گے۔

اتنے میں ایک شخص آیا جس پر دو پرانی چادریں تھیں، اس نے سلام کے بعد پوچھا کہ کدھر سے آئے، کدھر جاؤ گے؟ ہم نے کہا رَبذَہ سے آئے ہیں اور یہیں تک قصد ہے، پوچھا مدعا کیا ہے؟

ہم نے کہا کہ کھجوریں خریدنی ہیں، ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا جس پر مہار تھی۔

اس نے کہا یہ اونٹ بیچتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں! اس قدر کھجوروں کے بدلے دیدینگے، اس شخص نے یہ سن کر قیمت گھٹانے کی بابت کچھ بھی نہیں کہا اور مہارِ شتر سنبھال کر شہر کو چلا گیا، جب شہر کے اندر جا پہنچا تو اب آپس میں لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم نے کیا کیا اونٹ ایسے شخص کو دیدیا جس سے واقف تک نہیں اور قیمت وصول کرنے کا کوئی انتظام ہی نہ کیا۔

ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین (سردار قوم کی) عورت بھی تھی، وہ بولی کہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، اگر ایسا آدمی قیمت نہ دے تو میں ادا کر دوں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا، کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اور (قیمت شتر کی) کھجوریں بھیجی ہیں (تمہاری ضیافت کی

کجھوریں الگ ہیں) کھاؤ پیو اور قیمت کی کجھوروں کو ناپ کر پورا کرلو، جب ہم کھا پی کر سیر ہوئے تو شہر میں داخل ہوئے، دیکھا کہ وہی شخص مسجد کے ممبر پر کھڑے وعظ کر رہا ہے، ہم نے مندرجہ ذیل الفاظ آپ کے سنے:

"تَصَدَّقُوا فَإِنَّ الصَّدَقَةَ خَيْرٌ لَّكُمْ، اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلىٰ أُمَّكَ وَ أَبَاكَ وَ أُخْتَكَ وَأَخَاكَ وَ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ"[۱]

"لوگو! خیرات دیا کرو، خیرات کا دیا تمہارے لئے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، ماں کو، باپ کو، بہن کو، بھائی کو، پھر قریبی کو اور دوسرے قریبی کو دو۔"

وفد نجیب

قبیلہ نجیب کے تیرہ شخص حاضر ہوئے تھے، یہ اپنی قوم کے مال ومویشی کی زکوٰۃ لے کر آئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلے کے فقراء پر تقسیم کردو انہوں نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ فقراء کو جو دے کر بچ رہا ہے ہم وہی لے کر آئے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ان سے بہتر کوئی وفد اب تک نہیں آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہدایت خدائے عز وجل کے ہاتھ میں ہے خدا جس کی بہبود چاہتا ہے اس کے سینہ کو ایمان کے لئے کھول دیتا ہے"

---

[۱] زادالمعاد ۳۔ ۶۴۶، ۶۴۷، امام حاکم نے مستدرک میں یہ روایت نقل کی ہے، امام ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا سوال کیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو جوابات لکھوا دیئے تھے۔

یہ لوگ قرآن اور سننِ ہدیٰ کے سیکھنے میں بہت ہی راغب تھے اس لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی تواضع کے لیئے خاص طور پر معیّن کر دیا تھا۔

یہ لوگ واپسی کی اجازت کے لئے بہت ہی اضطراب ظاہر کرتے تھے، صحابہ نے پوچھا کہ تم یہاں سے جانے کے لئے کیوں بے چین ہو؟ کہا، دل میں یہ جوش ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے جو انوار ہم نے حاصل کئے، نبی اللہ ﷺ کی گفتار سے جو فیوض ہم نے پائے اور جو برکات اور فوائد ہم کو یہاں آکر حاصل ہوئے، ان سب کی اطلاع اپنی قوم کو جلد پہنچائیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو عطیات سے سرفراز کیا اور رخصت فرمایا، پوچھا! کوئی شخص تم میں سے باقی بھی رہا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! ایک نوجوان لڑکا ہے، جسے اسباب کے پاس ہم نے چھوڑ دیا تھا، فرمایا اسے بھی بھیجدینا، وہ حاضر ہوا تو اس نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے میری قوم کے لوگوں پر لطف و رحمت کی ہے مجھے بھی کچھ مرحمت فرمایئے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو؟

کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میرا مدعا اپنی قوم کے مدعا سے الگ ہے، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اسلام کی محبت میں آئے ہیں اور صدقات کا مال

بھی لائے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟

کہا! میں اپنے گھر سے صرف اس لئے آیا تھا کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنا دے۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے یہی دعا فرمادی، ۱۰ھ کو جب نبی کریم ﷺ نے حج کیا، تو اس قبیلہ کے لوگ پھر حضور ﷺ سے ملے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا ''اس نوجوان کی کیا خبر ہے؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اس جیسا شخص کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا اور اس جیسا قانع کوئی سنا ہی نہیں گیا، اگر دنیا کی دولت اس کے سامنے تقسیم ہو رہی ہو تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔[1]

وفد بنی سعد ہذیم

یہ وفد جس وقت مسجد نبوی میں پہونچا تو نبی کریم ﷺ ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے۔

انھوں نے آپس میں طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر ہم کو کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہئے، اس لئے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھے رہے، جب آنحضرت ﷺ ادھر سے فارغ ہوئے ان کو بلایا، پوچھا ''کیا تم مسلمان ہو''؟ انہوں کہا ہاں! فرمایا ''تم اپنے بھائی کے لئے دعا میں کیوں شامل نہ ہوئے؟

عرض کیا ہم سمجھتے تھے کہ بیعتِ رسول ﷺ سے پہلے کوئی کام بھی

---

[1] زاد المعاد ۳۔۶۵۰،۶۵۱، ابن سعد ۱۔۳۲۳

کرنے کے مجاز نہیں، فرمایا ''جس وقت تم نے اسلام قبول کیا اسی وقت سے تم مسلمان ہو گئے۔''

اتنے میں وہ مسلمان بھی آ پہنچا جسے یہ لوگ اپنی سواری کے پاس بٹھا آئے تھے، وفد نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! یہ ہم سے چھوٹا ہے اور اسی لئے ہمارا خادم ہے، فرمایا ''أَصْغَرُ الْقَوْمِ خَادِمُهُم'' (چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے) خدا اسے برکت دے، اس دعا کی یہ برکت ہوئی کہ وہی قوم کا امام اور قرآن مجید کا قوم میں سب سے زیادہ جاننے والا ہو گیا۔

جب یہ وفد لوٹ کر وطن گیا تو تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔[1]

وفد بنی اسد

یہ دس شخص تھے جن میں وابصہ بن معبد اور خویلد تھے، رسول اللہ ﷺ اصحاب کے ساتھ اندر مسجد میں تشریف فرما تھے، ان میں سے ایک نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہم شہادت دیتے ہیں کہ خدا اکیلا ہے، لاشریک ہے اور آپ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، دیکھئے یارسول اللہ ﷺ ہم از خود حاضر ہو گئے ہیں اور آپ نے تو ہمارے پاس کوئی آدمی بھی نہ بھیجا، اس پر آیت کا نزول ہوا:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّاتَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (حجرات: ع۲)

---

[1] زادالمعاد ۳۔ ۶۵۲، ابن سعد ا۔ ۳۲۹

''یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں، کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ، بلکہ خدا تم پر اس بات کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت کی اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔''

پھر ان لوگوں نے سوال کیا کہ جانوروں کی بولیوں اور شگونوں وغیرہ سے فال لینا کیسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے انہیں منع فرمایا، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک بات رہ گئی ہے، اس کی بابت کیا ارشاد ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا خط کھینچنا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ایک نبی نے لوگوں کو سکھایا تھا جس کسی کو صحت سے وہ علم مل گیا بیشک وہ علم ہے۔[1]

وفد بُہراء

یہ لوگ مدینہ میں آئے، حضرت مقدادؓ کے گھر کے سامنے آکر اونٹ بٹھائے، حضرت مقدادؓ نے گھر والوں سے کہا کہ ان کے لئے کچھ کھانا تیار کرو اور خود ان کے پاس گئے اور خوش آمدید کہہ کر اپنے گھر لے آئے، ان کے سامنے حَیس رکھا گیا، حَیس ایک کھانا ہے جو کھجور اور ستو ملا کر گھی میں تیار کیا جاتا ہے، گھی کے ساتھ کبھی چربی بھی ڈال دیا کرتے ہیں۔

اسی کھانے میں سے کچھ نبی کریم ﷺ کے لئے بھی حضرت مقدادؓ نے

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۵۲، ابن سعد ج ۱ ص ۲۹۲

بھیجا، نبی کریم ﷺ نے کچھ کھا کر وہ برتن واپس فرمادیا، اب حضرت مقدادؓ دونوں وقت وہی پیالہ ان مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے وہ مزہ لے لے کر کھایا کرتے، خوب کھایا کرتے، مگر کھانا کم نہ ہوا کرتا تھا، ان لوگوں کو دیکھ کر یہ حیرت ہوئی، آخرایک روز اپنے میزبان سے پوچھا:

(حضرت) مقدادؓ! ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والوں کی خوراک ستّو، جَو وغیرہ ہیں، تم تو ہروقت وہ کھانا کھلاتے ہو جو ہمارے ہاں بہت عمدہ سمجھا جاتا ہےاور جو ہر روز ہم کو بھی میسر نہیں آسکتا اور پھر ایسا لذیذ کہ ہم نے کبھی ایسا کھایا بھی نہیں۔

حضرت مقدادؓ نے کہا صاحبو! یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی برکت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی انگشت ہائے مبارک لگ چکی ہیں۔

یہ سنتے ہی سب نے باتفاق کہا اور اپنا ایمان تازہ کیا کہ ''بیشک وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، یہ لوگ مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے، قرآن اور احکام سیکھے اور واپس چلے گئے۔[1]

وفد حولان

یہ دس شخص تھے، جو بماہ شعبان ۱۰ھ میں خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تھے، انھوں نے آکر عرض کیا کہ ہم اپنی قوم کے پسماندوں کی جانب سے وکیل ہو کر آئے ہیں، خدا اور رسول پر ہمارا ایمان ہے، ہم حضور ﷺ کی خدمت میں لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کا ہم

[1] زادالمعاد ۳۔۶۵۵،۶۵۶، ابن سعد ا۔ ۳۳۱

پر احسان ہے، ہم یہاں محض زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِيْنَةِ كَانَ فِي جِوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (جس نے مدینہ میں آکر میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا) پھر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: عم انس کا کیا ہوا؟ (یہ ایک بت کا نام ہے جو اس قوم کا معبود تھا) وفد نے عرض کیا، ہزار شکر ہے کہ اللہ نے حضور ﷺ کی تعلیم کو ہمارے لئے اس کا بدل بنا دیا ہے، بعض بعض بوڑھے اور بوڑھی عورتیں رہ گئی ہیں جو اس کی پوجا کئے جاتی ہیں۔

اب انشاء اللہ ہم اسے جا کر گرادیں گے، ہم مدتوں دھوکے اور فتنہ میں رہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی دن کا واقعہ تو سناؤ، وفد نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ایک دفعہ ہم نے سونر گاؤ جمع کئے اور سب کے سب ایک ہی دن عم انس کے لئے قربان کئے گئے اور درندوں کے لئے چھوڑ دئے گئے، حالانکہ ہم کو گوشت اور جانوروں کی بہت ضرورت تھی، انھوں نے یہ بھی عرض کیا کہ چوپایوں اور زراعت میں سے عم انس کا حصہ برابر نکالا جاتا تھا، جب کوئی زراعت کرتا تو اس کا وسطی حصہ عم انس کے لئے مقرر کرتا اور ایک کنارے کا خدا کے نام مقرر کردیتا اگر کھیتی کو ہوا مار جاتی تو خدا کا حصہ تو عم انس کے نام کر دیتے مگر عم انس کا حصہ خدا کے نام پر نہ کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرائض دین سکھائے اور خصوصیت سے ان باتوں کی نصیحت فرمائی۔

(۱) عہد پورا کرنا، (۲) امانت کو ادا کرنا، (۳) ہمسایہ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا، (۴) کسی ایک شخص پر بھی ظلم نہ کرنا، یہ بھی فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی ہوگا۔[۱]

وفد مخارب

یہ دس شخص تھے، جو قوم کے وکیل ہو کر ۱۰ھ میں آئے تھے، حضرت بلالؓ ان کی مہمانی کے لئے مامور تھے، صبح و شام کا کھانا وہی لایا کرتے تھے، ایک روز ظہر سے عصر تک کا پورا وقت نبی کریم ﷺ نے انھیں کو دیا۔

ان میں سے ایک شخص کو نبی کریم ﷺ نے دیکھنا شروع کیا پھر فرمایا کہ میں نے تم کو پہلے بھی دیکھا ہے۔

یہ شخص بولا، خدا کی قسم ہاں حضور ﷺ نے مجھے دیکھا تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی اور میں نے بدترین کلام سے حضور ﷺ کو جواب دیا اور بہت بری طرح حضور ﷺ کے کلام کو رد کیا تھا، یہ بازار عکاظ کا ذکر ہے جہاں حضور ﷺ لوگوں کو سمجھاتے پھرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ہاں ٹھیک ہے" اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور ﷺ کی مخالفت کرنے والا اور اسلام سے دور رہنے والا نہ تھا، وہ سب تو اپنے آبائی مذہب ہی پر مر گئے خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آج تک باقی رکھا اور حضور ﷺ پر ایمان لانا مجھے نصیب ہوا۔

---

[۱] زاد المعاد ۳۔ ۶۶۲، ابن سعد ۱۔ ۳۲۴

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب کے دل خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہیں، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری پہلی حالت کے لئے معافی کی دعا فرمایئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ ''اسلام ان سب باتوں کو مٹا دیتا ہے جو کفر میں ہوئی ہوں۔'' [۱]

وفد بنی عبس

یہ وفد انتقال مبارک سے چار ماہ پیشتر آیا تھا، یہ علاقہ نجران کے باشندے تھے، یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تھے، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ہم نے منادیانِ اسلام سے سنا ہے کہ حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے ہیں؛ "لَا اِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهٗ" ہمارے پاس زر و مال بھی ہے اور مویشی بھی جن پر ہماری گذران ہے، پس اگر ہجرت کے بغیر ہمارا اسلام ہی ٹھیک نہیں تو مال و متاع کیا ہمارے کام آئیں گے اور مویشی ہمیں کیا فائدہ دیں گے؟ بہتر ہے کہ ہم سب کچھ فروخت کر کے سب خدمت عالی میں حاضر ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا؛ "اِتقو اللّٰهَ حَيْثُ كُنْتُم فَلَنْ يَلْتِكم مِنْ أعمالِكم شَيْئًا." (تم جہاں آباد ہو وہیں رہ کر خدا ترسی کو اپنا شیوہ بنائے رکھو تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی۔) [۲]

---

[۱] زادالمعاد ۳۔۶۶۳،۶۶۴، ابن سعد ۱۔ ۲۹۹

[۲] زادالمعاد ۳۔۶۷۰، ابن سعد ۱۔ ۲۹۵

وفد غامد

یہ وفد ۱۰ھ میں آیا تھا، اس میں دس آدمی تھے، یہ مدینہ سے باہر آکر اترے، ایک لڑکے کو بٹھا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ تم اسباب کے پاس کسے چھوڑ آئے ہو؟ لوگوں نے کہا ایک لڑکے کو فرمایا تمہارے بعد وہ سو گیا، ایک شخص آیا اور گھڑی چرا کر لے گیا، ایک شخص بولا یا رسول اللہؐ! وہ گھڑی تو میری تھی، فرمایا گھبراؤ نہیں، وہ لڑکا اٹھا، چور کے پیچھے پیچھے بھاگا، اسے جا پکڑا، سب مال صحیح سالم مل گیا، یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت سے جب واپس پہنچے تو لڑکے سے معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی طرح اس کے ساتھ ماجرا ہوا تھا، یہ لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے، نبی کریم ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمادیا کہ انہیں قرآن یاد کرائیں اور شرائع اسلام سکھائیں، جب وہ واپس جانے لگے تو انہیں شرائع اسلام ایک کاغذ پر لکھوا کر دے دیئے گئے۔[۱]

وفد بنی فزارہ

جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے، تو بنی فزارہ کا ایک وفد جس میں پندرہ آدمی شامل تھے، خدمت مبارک میں حاضر ہوا، ان کو اسلام کا اقرار تھا ان کی سواری لاغر کمزور اونٹ تھے، رسول اللہ ﷺ نے

---

[۱] زادالمعاد ۳۔ ۶۷۱، ابن سعد ۱۔ ۳۴۵

پوچھا کہ تمہاری بستیوں کا کیا حال ہے؟

انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بستیوں میں قحط ہے، مواشی مرگئے، باغ خشک ہوگئے، بال بچے بھوکے مر رہے ہیں، آپ خدا سے دعا کریں کہ ہماری فریاد سنے، آپ ہماری سفارش خدا سے کریں، خدا ہماری سفارش آپ سے کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے، خرابی ہو تیرے لئے، میں تو خدا کے پاس شفاعت کرونگا لیکن خدا کس کے پاس شفاعت کرے؟ وہ معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب سے بزرگ تر ہے، آسمانوں اور زمین پر اسی کا حکم ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم میں بارش کے لئے دعا فرمائی، جو الفاظ محفوظ ہیں، وہ یہ ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ وَبَھَائِمَکَ، وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ، وَأَحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ، اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثاً مُغِیْثاً مَرِیْئاً مَرِیْعاً طَبَقاً وَاسِعاً، عَاجِلاً غَیْرَ اٰجِلٍ، نَافِعاً غَیْرَ ضَارٍّ، اَللّٰھُمَّ سُقْیَا رَحْمَۃٍ لَاسُقْیَا عَذَابٍ وَلَاھَدْمٍ وَلَاغَرَقٍ وَلَامَحْقٍ، اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَانْصُرْنَا عَلَی الأَعْدَآءِ." [1]

---

[1] زادالمعاد ۳-۶۵۳، ۶۵۴، ابن سعد ۱- ۲۹۷ دعا کے الفاظ سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں موجود ہیں۔

"اے خدا اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب کر، اپنی
رحمت کو پھیلا دے اور اپنی مردہ بستیوں کو زندہ کر دے، الٰہی
ہم فریاد رس ہیں، ایسی بارش کے جو راحت رساں، آرام
بخش ہو، جلد آئے، دیر نہ لگائے، نفع پہنچائے، ضرر نہ کرے،
سیراب کر دے، الٰہی ہم کو رحمت سے سیراب کر دے، نہ کہ
عذاب وہدم وغرق ومحق سے بھر دے، الٰہی بارش باراں سے
ہمیں سیراب کر دے، اور دشمنوں پر ہم کو نصرت عطا کر۔"

وفد سلامان

یہ سترہ شخص تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے، انہی میں حبیبؓ بن عمرو تھا، انہوں نے سوال کیا تھا کہ سب اعمال سے افضل کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وقت پر نماز پڑھنا" ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں بارش نہیں ہوئی، دعا فرمائیے، رسول اللہ ﷺ نے زبان سے فرمایا "اَللّٰھُمَّ اسْقِھِمُ الْغَیْثَ فِیْ دَارِھِمْ"

حبیبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان مبارک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا فرمایئے نبی کریم ﷺ مسکرائے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کر دی۔

جب وفد اپنے وطن لوٹ کر گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی روز بارش ہوئی تھی، جس دن نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔[1]

---

[1] رحمۃ للعالمین ۱۔۱۸۳ بحوالہ زاد المعاد

وفودِ نجران [1]

ان جملہ روایات پر جو وفد نجرآن کے عنوان کے تحت دواوینِ احادیث میں پائی جاتی ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیان نجرآن کے معتمد دو دفعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اس لئے اسی ترتیب سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ابو عبداللہ حاکم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل نجرآن کو دعوتِ اسلام کا خط تحریر فرمایا، جب اسقف نے اس خط کو پڑھا تو اس کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور وہ کانپ اٹھا اس نے فوراً شرحبیلؔ بن وداعہ کو بلایا، یہ قبیلہ ہمدان کا شخص تھا، کوئی بڑا کام بغیر اس کی رائے کے حاکم یا مشیر یا پادری طے نہیں کیا کرتے تھے۔

اسقف نے اسے خط دیا اور اس نے پڑھ لیا تو اُسقف بولا، ابو مریم! فرمایئے، آپ کی کیا رائے ہے؟

شرحبیلؔ نے کہا "صاحب یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اسمٰعیلؑ کی نسل میں نبوت بھی ہوگی ممکن ہے یہ وہی شخص ہوں، لیکن نبوت کے متعلق کیا رائے ہو سکتی ہے، کوئی دنیوی بات ہوتی تو میں اس پر غور کر سکتا تھا اور اپنی رائے عرض کر سکتا تھا۔"

اسقف نے کہا: "اچھا بیٹھ جایئے۔"

---

[1] مندرجہ ذیل پورا واقعہ زاد المعاد، دلائل النبوۃ میں موجود ہے۔

اسقف نے پھر ایک دوسرے شخص کو جس کا نام عبداللہ بن شرحبیل تھا اور قوم حمیر سے تھا، بلایا، اور نامہ نبویؐ دکھا کر اس کی رائے دریافت کی اس نے شرحبیل کا سا جواب دیا۔

اُسقف نے پھر تیسرے شخص جبار بن قیس کو بلایا، یہ بنوالحارث بن کعب میں سے تھا، نامہ دکھلایا اور رائے دریافت کی، اس نے بھی ان دونوں کا سا جواب دیا۔

جب اُسقف نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی جواب نہیں دیتا تو اس نے حکم دیا کہ گھنٹے بجائے جائیں اور ٹاٹ کے پردے گرجے پر لٹکائے جائیں، ان کا دستور تھا کہ کوئی مہم عظیم درپیش ہوتی تو لوگوں کے بلانے کا طریق دن کے لئے یہ تھا کہ گھنٹے بجاتے اور ٹاٹ کے پردے گرجے پر لٹکا دیتے، اور رات کے لئے یہ تھا کہ گھنٹے بجاتے اور پہاڑی پر آگ روشن کر دیتے، اس گرجے کے متعلق تہتر گاؤں تھے، جن میں سے ایک لاکھ سے زیادہ جنگجو مردوں کی آبادی تھی، وادی کے بالائی اور نشیبی حصہ کا طول ایک اسپ سوار کے ایک دن کی راہ تھا، جب کل علاقہ کے یہ لوگ (سب کے سب عیسائی تھے) جمع ہو گئے، تو اُسقف نے وہ نامہ مبارک سب کو سنایا اور رائے دریافت کی، مشورہ کے بعد قرارداد یہ ہوئی، کہ شرحبیل اور عبداللہ اور جبار کو نبی (ﷺ) کی خدمت میں روانہ کیا جائے اور وہاں کے سب حالات معلوم کر کے مفصل بتائیں۔

یہ لوگ مدینہ پہنچے اور چند روز نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حضرت عیسیٰ کی شخصیت کے متعلق گفتگو

کی، اس گفتگو پران آیات کا نزول ہوا:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَاللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنَ، اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلاَ تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ، فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡہِ مِنۡ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَائَنَا وَاَبۡنَائَکُمۡ وَنِسَائَنَا وَ نِسَائَکُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَةَ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡنَ﴾ (آل عمران ع ٦)

”عیسیٰؑ کی مثال خدا کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے، اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا (انسان زندہ) بن جا، وہ زندہ ہوگیا، سچی بات آپ کے پروردگار کی جانب سے یہی ہے، اب تم اسی رسی کو لمبا کھینچنے والوں میں نہ ہو اور جو کوئی آپ سے اس علم کے بعد جھگڑا کرے، اس سے کہہ دیجئے کہ ہم اپنی اولاد کو بلاتے ہیں تم اپنی اولاد کو بلاؤ، ہماری عورتیں اور تمہاری عورتیں، ہم خود بھی اور تم خود بھی جمع ہوں، پھر خدا کی طرف متوجہ ہوں اور خدا کی لعنت جھوٹے پر ڈالیں۔“

ان آیات کے نزول پر نبی کریم ﷺ نے مباہلہ کے لئے حسنؓ و حسینؓ کو بھی بلایا اور فاطمہؓ (سیدۃ نساء العالمین) بھی باپ کی پس پشت آ کر کھڑی ہوگئیں۔

ان عیسائیوں نے علیحدہ ہو کر بات چیت کی، شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ان کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا آسان نہیں ہے، دیکھو! تمام

وادی کے لوگ اکٹھے ہوئے تب انھوں نے ہم کو بھیجا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بادشاہ ہیں، تب بھی ان سے مباہلہ کرنا ٹھیک نہ ہوگا، کیونکہ تمام عرب میں سے ہم ہی ان کی نگاہ میں کھٹکتے رہیں گے اور اگر یہ نبی مرسل ہیں تب تو ان کی لعنت کے بعد ہمارا پر کاہ بھی زمین پر باقی نہ ملے گا، اس لئے میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ہم ان کی ماتحتی قبول کریں اور رقم جزیہ کا فیصلہ بھی ان کی رائے پر چھوڑ دیں، کیونکہ جہاں تک میں نے سمجھا ہے، یہ سخت مزاج نہیں ہیں، دونوں ساتھیوں نے اتفاق کیا اور انھوں نے جا کر عرض کر دیا کہ مباہلہ سے بہتر ہمارے لئے یہ ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ کے خیال میں کل صبح تک ہمارے لئے بہتر معلوم ہو وہ ہم پر مقرر کر دیا جائے۔

اگلے روز آنحضرت ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ایک معاہدہ جسے مغیرہ صحابیؓ نے لکھا تھا اور ابوسفیانؓ بن حرب، غیلانؓ بن عمرو، مالک بن عوف، اقرعؓ بن حابس صحابہ کی شہادت اس پر ثبت تھیں، انھیں مرحمت فرمایا. معاہدہ میں آنحضرت ﷺ نے عیسائیوں کو فیاضی سے مراعات وحقوق مرحمت فرمائے۔

فرمان حاصل کر کے یہ لوگ نجران کو واپس چلے گئے بشپ (اسقف) اور دیگر سر برآوردہ لوگوں نے ایک منزل آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی، وفد نے یہ فرمان اُسقفؓ کے سامنے پیش کر دیا، وہ چلتے ہی چلتے اس فرمان کو پڑھنے لگا، اس کا چچیرا بھائی بشرؓ بن معاویہ جس کی کنیت ابو علقمہ تھی، اس کے برابر تھا ''وہ بھی اس تحریر کے معنیٰ کی طرف اس قدر متوجہ ہوا کہ بے خیال ہو گیا، اور اونٹنی

نے اسے زمین پر گرادیا، اس نے گرتے ہی کہا، ''خرابی اس شخص کی جس نے ہم کو اس قدر تکلیف میں ڈالا ہے۔''

بشؔر نے یہ اشارہ نبی کریم ﷺ کی طرف کیا تھا۔

اُسقفؔ بولا: دیکھ تو کیا کہتا ہے، بخدا وہ تو نبی مرسل ہیں۔

بشؔر نے جواب دیا بخدا اب میں بھی ناقہ کا پالان اسی کے پاس جا کر اتاروں گا، یہ کہہ اس نے اپنا رخ بدل دیا اور مدینہ کو چل پڑا۔

اسقفؔ نے اس کے پیچھے پیچھے ناقہ لگایا، چلا چلا کر کہتا تھا کہ میری بات تو سنو، میرا مطلب تو سمجھو، میں نے یہ فقرہ اس لئے کہا تھا کہ ان قبائل میں مشتہر ہو جائے تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے سند حاصل کرنے میں کوئی حماقت کی ہے، یا فیاضی قبول کر لی ہے، حالانکہ دیگر قبائل نے اب تک ان کی فیاضی کو قبول نہیں کیا ہے اور ہماری طاقت اور شوکت اوروں سے بڑھ کر ہے۔

بشؔر بولے نہیں نہیں، بخدا نہیں، اب میں نہیں رکنے کا، تیرے مغز سے ایسی غلط بات نکل ہی نہیں سکتی تھی، یہ کہہ کر وہ مدینہ چلا آیا۔

یہ بشؔر تو خدمت نبویؐ میں پہنچ کر وہیں حضور میں رہے اور بالآخر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، اب وفد کا بقیہ حال یہ ہوا کہ جب یہ لوگ نجران پہنچ گئے تو نجرؔان کے گرجا میں رہنے والے ایک متک (راہب) نے بھی کسی سے یہ تمام داستان سن لی، وہ گرجا کے برج کے بالائی حصہ پر (سالہا سال سے) رہا کرتا تھا چیخنا شروع کر دیا کہ مجھے اتار دو ورنہ میں اوپر سے کود پڑوں گا خواہ میری جان بھی جاتی رہے، یہ

راہب بھی چند تحائف لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روانہ ہوگیا، ایک پیالہ، ایک عصا، ایک چادر اس نے بطور تحفہ پیش کی تھی، وہ چادر خلفاء عباسیہ کے عہد تک برابر محفوظ رہی تھی، راہب نے کچھ عرصہ تک مدینہ میں ٹھہر کر اسلامی تعلیم سے واقفیت حاصل کی اور پھر آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اور واپس آنے کا وعدہ کر کے نجران چلا گیا۔

(۲) اس وفد میں کچھ عرصہ کے بعد اسقف ابوالحارث (جو گرجا کا امام تھا، قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ جس کا نہایت ادب اور احترام کیا کرتے تھے اور عام لوگ اکثر کرامات وغیرہ جس کی ذات سے منسوب کیا کرتے تھے اور جو اپنے مذہب کا مجتہد شمار ہوتا تھا) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچا اس کے ساتھ ایہم نامی علاقہ کا جج اور حاکم بھی تھا اسے سید کے لقب سے ملقب کرتے تھے، اور عبدالمسیح الملقب عاقب بھی تھا جو سارے علاقہ کا گورنر اور امیر بھی تھا، باقی ۲۴ ر مشہور سردار تھے، کل قافلہ ۶۰ ر سواروں کا تھا، یہ عصر کے وقت مسجد نبویؐ میں پہنچے تھے، وہ ان کی نماز کا وقت تھا (غالباً اتوار کا دن ہوگا) نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنی مسجد میں نماز پڑھ لینے کی اجازت فرما دی تھی اور انھوں نے مسجد سے شرق کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی تھی، بعض مسلمانوں نے انھیں مسجد نبوی میں عیسائی نماز پڑھنے سے روکنا چاہا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا تھا۔

یہودی بھی انھیں دیکھنے آتے تھے اور کبھی کبھی کسی مسئلہ پر گفتگو بھی ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے یہودیوں نے بیان کیا کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ان عیسائیوں نے کہا وہ عیسائی تھے، اس بحث پر قرآن مجید کی ان آیات کا نزول ہوا:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ، هَا أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ، مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران، ع:۷)

''ان سے کہئے کہ اے کتاب والو! ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو، تورات اور انجیل تو اس کے بعد اتری ہیں، کیا تم نہیں سمجھتے؟ جن باتوں میں تمہارے پاس کچھ علم تھا اس میں تو جھگڑتے ہی تھے مگر جس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں اس میں جھگڑا کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے، نہ عیسائی تھے، وہ تو پکّے موحّد تھے اور مسلمان تھے اور مشرک بھی نہ تھے، ساری خلقت میں ابراہیم سے قریب تر وہ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور محمدؐ نبی اور ان پر ایمان

رکھنے والے لوگ، ہاں خدا مومنین کا دوستدار ہے۔"

ایک دفعہ یہودیوں نے (مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر اعتراض کرنے کی غرض سے) کہا محمدؐ صاحب! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بھی عبادت کرنے لگیں جیسا کہ عیسائی عیسیٰ کی عبادت کیا کرتے ہیں؟

نجرانؔ کا ایک عیسائی بولا:

ہاں محمدؐ صاحب! بتا دیجئے کیا آپ کا یہی ارادہ ہے اور اسی عقیدہ کی دعوت آپؐ دیتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت کروں یا کسی دوسرے کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں، خدا نے مجھے اس کام کے لئے نہیں بھیجا اور مجھے ایسا حکم بھی نہیں دیا،

اس واقعہ پر قرآن مجید کی ان آیات کا نزول ہوا:

﴿مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ،ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ، وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ، وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمَلٰئِكَةَ وَالنَّبِيِّيْنَ اَرْبَابًا، اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.﴾ (آل عمران)

"جس بشر کو خدا کتاب اور حکمت اور نبوت عنایت کرے، یہ اس کے لئے شایاں نہیں کہ وہ پھر لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کے سوا میرے بندے بن جاؤ، وہ تو یہی کہا کرتا ہے کہ کتابِ

الٰہی کو سیکھ کر اور شریعت کا درس پا کر تم اللہ والے بن جاؤ، یہ نبی تو نہیں کہتے کہ فرشتوں کو یا نبیوں کو بھی رب بنالو، بھلا وہ کفر کے لئے کہہ سکتے ہیں تم لوگوں کو جو اسلام لا چکے۔‘‘

محمد بن سہیل کی روایت ہے کہ آلِ عمران کی شروع سے ۸۰/آیات تک نزول بھی اسی وفد کی موجودگی میں ہوا تھا، جب یہ واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ سے پھر ایک سند انھوں نے حاصل کی جس میں گرجاؤں اور پادریوں کی بابت زیادہ صراحت تھی۔[1]

انھوں نے یہ بھی درخواست کی کہ ایک امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے جسے جزیہ ادا کر دیا کریں، نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ یہ شخص میری امت کا امین ہے۔[2]

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے فیضانِ صحبت سے علاقہ میں اسلام پھیل گیا۔

وفد نخع

یہ وفد نصف محرم ۱۱ھ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا تھا، اس کے بعد

---

[1] زادالمعاد ۳۔۶۲۹ تا ۶۳۷، دلائل النبوۃ ۵۔۳۸۲ تا ۳۹۳، ابن ہشام ۱۔۵۷۳ تا ۵۸۴، ابن سعد ۱۔۳۵۷، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصہ نجران میں اس واقعہ کے بعض اجزاء موجود ہیں۔

[2] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب ابوعبیدہؓ بن الجراح، صحیح مسلم، فضائل الصحابہؓ، باب فضائل ابی عبیدۃ بن الجراح۔

کوئی وفد حاضر نہیں ہوا، یہ دوسو اشخاص تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوکر آئے تھے، ان کو دار الضیافہ (مہمان خانہ) میں اتارا گیا تھا۔

ایک شخص ان میں زُرارہ بن عمرو تھا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں نے راستہ میں خواب دیکھے جو عجیب تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''بیان کرو''

کہا میں نے دیکھا کہ ایک بکری نے بچہ دیا ہے جو سپید اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری عورت کے بچہ ہونے والا تھا؟

اس نے کہا ہاں!

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے فرزند پیدا ہوا ہے جو تیرا بیٹا ہے، زُرارہ نے کہا یا رسول اللہ! ابلق ہونے کیا معنیٰ ہیں؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قریب آؤ، پھر آہستہ سے پوچھا کیا تیرے جسم پر برص کے داغ ہیں جسے لوگوں سے چھپاتے رہے ہو؟

زُرارہ نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آج تک میرے اس راز کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا بچہ پر یہ اسی کا اثر ہے۔

زُرارہ نے دوسرا خواب سنایا کہ میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا کہ گوشوارے بازوبند، خلخال پہنے ہوئے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس کی تاویل ملک عرب ہے، جواب آسائش وآرائش حاصل کر رہا ہے۔

زُرارہ نے عرض کیا میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے، جس کے کچھ بال سفید، کچھ سیاہ ہیں اور زمین سے باہر نکلی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے۔

زرارہ نے عرض کیا میں نے دیکھا کہ ایک آگ زمین سے نمودار ہوئی، میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان آگئی اور وہ آگ کہہ رہی ہے جھلسو جھلسو بینا ہو کہ نابینا ہو، لوگو! اپنی غذا، اپنا کنبہ، اپنا مال مجھے کھانے کے لئے دو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، یہ ایک فساد ہے جو آخر زمانے میں ظاہر ہوگا، زرارہ نے عرض کیا کہ یہ کیسا فتنہ ہوگا؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا لوگ اپنے امام کو قتل کردیں گے آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، ایک دوسرے سے ایسے گتھ جائیں گے جیسے ہاتھوں کی انگلیاں پنجہ ڈالنے میں گتھ جاتی ہیں، بدکاران دنوں اپنے آپ کو نیکوکار سمجھے گا، مومن کا خون پانی سے بڑھ کر خوشگوار سمجھا جائے گا، اگر تیرا بیٹا مر گیا، تب تو اس فتنہ کو دیکھ لے گا، تو مر گیا تو تیرا بیٹا دیکھ لے گا۔

زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ دیکھوں،

رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی الٰہی! یہ اس فتنہ کو نہ پائے۔

زرارہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا بچ رہا، اس نے سیدنا عثمانِ غنی کی بیعت کو توڑ دیا تھا۔[1]

حجۃ الوداع

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ، اِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً﴾ (سورۂ نصر، پ۳۰)

''جب خدا کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو چکا اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی تسبیح پڑھیے اور استغفار کیجئے، خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہئے تھی، تسبیح واستغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اسی بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہ سے معنی پوچھے، لوگوں نے مختلف معنی بتائے، حضرت عمرؓ نے عبداللہؓ بن عباس کی طرف دیکھا، وہ کم سن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے کہا ''یہ آیت آنحضرت ﷺ کے قرب وفات کا اعلان ہے کہ استغفار موت کے لئے مخصوص ہے''۔[2]

---

[1] زاد المعاد ۳۔ ۶۸۶، ۶۸۷، ابن سعد ۱۔ ۳۴۶ [2] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر ''اذا جاء نصر اللہ''

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہوگیا تھا کہ رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے، اس لئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کردیا جائے، آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے زمانے سے اب تک فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔[۱]

ایک مدّت تک تو قریش سدراہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے،

بہرحال ذوقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت ﷺ حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے ہیں، یہ خبر دفعۃً پھیل گئی اور شرف ہمرکابی کے لئے تمام عرب امنڈ آیا۔[۲] (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶ر تاریخ کو آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور چادر اور تہمد باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے۔[۳] تمام ازواج مطہرات کو ساتھ لے چلنے کا حکم دیا۔[۴] مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے، جو مدینہ کی میقات ہے، یہاں پہنچ کر شب اقامت فرمائی،[۵] دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر قصویٰ پر سوار ہوکر احرام باندھا اور بلند آواز سے الفاظ کہے:۔

"لَبَّیکَ اللّٰھمّ لَبَّیکَ لَبَّیکَ لاَ شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ اِنّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالمُلْکَ لاَ شَرِیکَ لَکَ."

۱۔ صحیح البخاری، باب حجۃ الوداع ۲۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

۳۔ زاد المعاد ۲۔۱۰۲ ۴۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع

۵۔ صحیح البخاری، کتاب الحج، باب من بات بذی الحلیفہ

''اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے خدا تیرا کوئی
شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہے
اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں''۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، جہاں تک نظر کام کرتی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا، آنحضرت ﷺ جب ''لبّیک'' فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔[۱]

فتح مکہ میں آپ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں، آنحضرت ﷺ ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے، سرف پہنچ کر غسل فرمایا، دوسرے دن (اتوار کے روز ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت) مکّہ معظّمہ میں داخل ہوئے، مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا، [۲] خاندانِ ہاشم کے لڑکوں نے آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپ نے فرطِ محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا۔ [۳] کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ ''اے خدا اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے''[۴] پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ و باب التلبیہ
۲۔ سیرۃ النبیؐ ۲۔۲۵۲
۳۔ سنن نسائی، کتاب المناسک، باب استقبال الحج
۴۔ سنن بیہقی ۵۔۷۳

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى.﴾ ''اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ''

صفا پر پہونچے تو یہ آیت پڑھی:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ.﴾ ''صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں'' (یہاں سے) کعبہ نظر آیا، تو یہ الفاظ فرمائے۔

" لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه لَا شَرِيْکَ لَه، لَهُ الْمُلْکُ وَلَه الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى کُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه أَنْجَزَ وَعْدَه، وَنَصَرَ عَبْدَه وَهَزَمَ الْأَحْزَاب وَحْدَه. "[1]

''اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے سلطنت اور ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے، کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔''

صفا سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے، یہاں بھی دعا و تہلیل کی، اہل عرب ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے، صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ نے لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کر کے احرام اتار دینے کا حکم دیا،[2] بعض صحابہؓ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ الوداع

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ الوداع و باب بیان وجوہ الاحرام۔

میں معذرت کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔[1] حضرت علیؓ حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکّہ میں وارد ہوئے، چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے انہوں نے احرام نہیں اتارا، جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا، دوسرے دن نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔[2]

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لئے نکلتے تھے، تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں مقام کرتے تھے، جو حرم کے حدود میں تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا اور مقام میں مناسک حج ادا کئے تو ان کی شانِ یکتائی میں فرق آجائے گا، لیکن اسلام کو جو مساواتِ عام قائم کرنی تھی، اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جاسکتی تھی، اس لئے خدا نے حکم دیا:

﴿ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ.﴾[3] آپ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے، اور یہ اعلان کرادیا۔

"قِفُوا عَلٰی مَشَاعِرِکُمْ فَاِنَّکُمْ علیٰ اِرْثٍ مِنْ اِرْثِ أَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ."[4]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المناسک، باب تقضی الحائض المناسک کلھا

[2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

[3] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الوقوف بعرفۃ

[4] سنن ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الوقوف بعرفات، ابوداؤد، کتاب المناسک، باب موضوع الوقوف بعرفۃ

''اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو، کہ تم اپنے باپ
ابراہیم کی وراثت پر ہو۔''

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام، حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے اور انہیں نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لئے متعین کیا ہے، عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے، وہاں آپ ﷺ نے (ایک) کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا، دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصویٰ تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔[1]

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَلا كُلُّ شئى مِنْ أَمرِ الجَاهِلِيَّةِ تَحتَ قَدَمَيَّ مَوضُوعٌ۔''[2]

''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔''

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے، مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا، سلاطین سایہ یزدانی تھے، جن کے آگے کسی کو چوں وچرا کی مجال نہ تھی، ائمہ مذاہب کے ساتھ کوئی شخص مسائلِ مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفاء رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے، آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعۃً ٹوٹ گئیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ [2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

"لَيۡسَ لِلۡعَرَبِيِّ فَضۡلٌ عَلَى الۡعَجَمِيِّ وَلَا لِلۡعَجَمِيِّ فَضۡلٌ عَلَى الۡعَرَبِيِّ، كُلُّكُمۡ أَبۡنَاءُ آدَمَ وَآدَمُ مِنَ التُّرَابِ"[1]

"عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہو اور آدمؑ خاک سے بنے تھے"۔

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ سیکڑوں برس گذر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی، آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، ختم کیا جاتا ہے، اس کے لئے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ پیش کرتا ہے۔

"وَدِمَاءُ الۡجَاهِلِيَّةِ مَوۡضُوعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنۡ دِمَائِنَا دَمُ ابۡنِ رَبِيۡعَةَ بۡنِ الۡحَارِثِ."[2]

"جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کر دیتا ہوں۔"

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لئے اپنے قرضخواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے اس فرض کی تکمیل کے لئے معلم

---

[1] العقد الفرید ۲۔۱۴۹ [2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

"وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِباً أَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ." [۱]

"جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔"

آج تک عورتیں ایک جائداد منقولہ تھیں جو قمار بازیوں میں داؤں پر چڑھادی جاسکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ اس گروہِ مظلوم کو، اس صنف لطیف کو، اس جوہر نازک کو، قدردانی کا تاج پہنایا جاتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ" [۲] "عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔"

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص جس کو چاہتا تھا قتل کردیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا، آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے۔

"اِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرمَةِ يَوْمِكُم هٰذا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذا، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذا، الىٰ يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ" [۳]

"بیشک تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے،

---

[۱] و [۲] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

[۳] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر، حرام ہے۔"

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے، لیکن ان کی بنیاد خود صاحبِ شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی، ابدی مذہب کا پیغمبر زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔

"وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ،"[1]

"میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ!"

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع کی طرف خطاب کیا:

"أنتم مسئولون عنی فما أنتم قائلون۔؟"

"تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا، تم کیا جواب دو گے؟"

صحابہؓ نے عرض کی "ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا" آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ[2] (اے خدا تو گواہ رہ۔)

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ [2] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

عین اسی وقت جب آپ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے، یہ آیت اتری۔ [1]

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً.﴾ (مائدہ)

''آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو منتخب کیا''

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا اس کے تخت شاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ [2]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف رہے۔ [3] جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ ﷺ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی حضرت اسامہؓ بن زید کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا۔ [4] آپ ﷺ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آکر لگتی تھی۔ [5] لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع

[2] سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی ۲۔۱۵۴ تا ۱۵۹

[3] زاد المعاد ۲۔۲۳۴

[4] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب النزول بین عرفۃ والجمع

[5] زاد المعاد ۲۔۲۳۶

ہوگیا تھا، لوگوں کو دستِ مبارک سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑے سے اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ! اور زبانِ مبارک سے ارشاد فرمارہے تھے۔

"السّکینة ایّھا النّاس!" (لوگو! سکون کے ساتھ!)

"السّکینة ایّھا النّاس!"[۱] (لوگو! سکون کے ساتھ!)

اثنائے راہ میں ایک جگہ طہارت کی، حضرت اسامہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے، فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے، یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جاکر سواریوں کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشاء کی تکبیر ہوئی۔[۲] نماز سے فارغ ہوکر آپ ﷺ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا، بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادتِ شبانہ کے لئے بیدار نہ ہوئے، محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپ ﷺ نے تہجد ادا نہیں فرمائی، صبح سویرے اٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی،[۳] کفارِ قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے، جب آفتاب پورا نکل آتا تھا، اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی، اس وقت باآواز بلند کہتے تھے "کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا" آنحضرت ﷺ نے اس رسم کے ابطال کے لئے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ کیا۔[۴] یہ ذی الحجہ

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ، صحیح البخاری، کتاب الحج، باب أمر النبیؐ بالسکینۃ

[۲] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الجمع بین الصلاتین بالمزدلفہ [۳] سیرۃ النبیؐ ۲۔۱۶۰

[۴] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب متی یدفع من جمع

کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔

حضرت فضلؓ بن عباسؓ آپ ﷺ کے برادر عم زاد ناقہ پر سوار تھے، اہلِ حاجت دائیں بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لئے آرہے تھے، آپ ﷺ جواب دیتے تھے۔[۱] اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے، وادی محسّر کے راستہ سے آپ ﷺ جمرہ کے پاس آئے، ابن عباس سے جو اس وقت کمسن تھے فرمایا مجھے کنکریاں دو، آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿اِیَّاکُمْ و الغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنَّمَا اَھْلَکَ قَبْلَکُمْ الغلُوُّ فِی الدِّیْن﴾[۲]

''مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے قومیں اسی سے برباد ہوئیں''

اسی اثنا میں آپ ﷺ یہ بھی ارشاد فرماتے،

''لتَاْخُذُوا مَنَاسِکَکُمْ فَاِنِی لَااَدْرِیْ لَعَلِّی لَا اُحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِه''[۳]

''حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔''

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، داہنے بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا، مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں، اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں، آنحضرت ﷺ ناقہ پر سوار

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع

[۲] سنن نسائی، کتاب المناسک، باب التقاط الحصی، سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب قدر حصی الرمی

[۳] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ

تھے، حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہؓ بن زید پیچھے بیٹھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ر سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے، زمین سے قبول واعترافِ حق کا نور ضوفشاں تھا، دیوان قضا میں انبیاء سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی، عین اسی عالم میں زبانِ حق محمد رسول اللہ ﷺ کے کام ودہن میں زمزمہ پرداز ہوئی۔[1] اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک عالم کا آغاز تھا، اس بناء پر ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَةِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالارضَ،'' (بروایت ابوبکرہ)[2]

''ابتداء میں خدا نے جب زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کے آج اسی نقطہ پر آگیا۔''

ابراہیم خلیلؑ کے طریق عبادت حج کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا، اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خون ریزی جائز نہ تھی، اس لئے عربوں کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ کے لئے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے،

---

[1] سیرۃ النبیؐ ۲۔ ۱۶۱

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب تغلیظ الدماء والاعراض

آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے لئے اشہر حرم کی تعیین کردی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"السَّنَةُ اثنا عَشَرَ شَهراً مِنهَا اَربَعَةٌ حُرم، ثلاثةٌ متوالياتٌ ذُوالقَعْدة وذُوالحجة ومحرَّم ورَجَبُ شَهرُ مُضَرَ الَّذی بین جُمادی وَشَعْبَانَ."[۱]

''سال میں بارہ مہینے جن میں چار مہینے قابلِ احترام ہیں، تین تو متواتر مہینے ہیں، ذوقعدہ، ذوالحجہ، اورمحرم، اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ، جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔''

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں، جانؔ، مالؔ، اور آبروؔ، آنحضرت ﷺ کل کے خطبہ میں گوان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لئے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ ﷺ نے اس کے لئے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا، لوگوں سے مخاطب ہوکر پوچھا؛

''کچھ معلوم ہے، آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، آپ ﷺ دیر تک چپ رہے، لوگ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، دیر تک سکوت کے بعد فرمایا ''کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بیشک ہے،

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع

پھرارشاد ہوا، یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقے سے جواب دیا، آپ ﷺ نے پھر دیر تک سکوت کیا، اور فرمایا کہ یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟''لوگوں نے کہا ہاں بیشک ہے پھر پوچھا ''یہ کون سا شہر ہے''؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپ ﷺ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا ''کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے''؟ لوگوں نے کہا ہاں بیشک ہے، جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے، یعنی اس دن اس مقام میں جنگ اور خوں ریزی جائز نہیں، تب فرمایا:

''فَاِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَ اَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا.

(بروایت ابوبکرۃ)''[1]

''تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت)
اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس
شہر میں محترم ہے۔''

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے، وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا، اس نے اپنے پیروؤں سے بآواز بلند کہا:

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، کتاب الحج، باب الخطبۃ امام الناس

"أَلَا ! لَا تَرْجِعُوا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ أَعْمَالِکُم." [1]

"ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کریگا۔"

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اکثر مجرم کے روپوش یا فرار ہوجانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا، اس کو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی، اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا، یہ سخت ظالمانہ قانون تھا، جو مدت سے دنیا میں حکمراں تھا اگرچہ قرآن مجید نے ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کردی تھی، لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نظامِ سیاست ترتیب دے رہا تھا، اس اصول کو فراموش نہیں کرسکتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَلَا لَا یَجْنِی جَانٍ إِلَّا عَلٰی نَفْسِہٖ أَلَا لَا یَجْنِی جَانٍ عَلٰی وَلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰی وَالِدِہٖ" [2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منیٰ

[2] سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء دماءکم واموالکم علیکم حرام، سنن ابن ماجۃ، کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر

"ہاں! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں! باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔"

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا، اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لئے ننگ اور عار جانتا تھا، ارشاد ہوا:

"اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ اَسْوَدُ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِیْعُوا۔"[1]

"اگر کوئی حبشی، کان کٹا غلام بھی تمہارا امیر ہو، اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرنا۔"

ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانۂ کعبہ ہمیشہ کے لئے ملتِ ابراہیمؑ کا مرکز بن چکا تھا، اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہو چکی تھیں، اس بنا پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَلَا اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ أَیِسَ اَنْ یُعْبَدَ فِی بَلَدِکُمْ هٰذا أبداً وَلٰکِنْ سَتَکُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِیْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أعمالِکُم فَیَرْضیٰ بِهِ۔"[2]

"ہاں! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبہ

[2] ترمذی، کتاب الفتن

تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا''

سب سے آخر میں آپ ﷺ نے اسلام کے فرض اولین یاد دلائے:

''اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَأَطِيْعُوا ذَاأَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ''[1]

''اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا روزہ رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ ''کیوں میں نے پیغامِ خداوندی پہنچا دیا؟

سب بول اٹھے ہاں! فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، ''اے خدا تو گواہ رہنا۔''

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ،[2]

''جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں ہیں۔''

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب فی فضل الصلوۃ، مسند احمد ۵۔۲۵۱

[2] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منیٰ

خطبہ کے اختتام پر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔

اس کے بعد آپ ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "قربانی کے لئے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہوسکتی ہے" آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، کچھ تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں۔ [1] اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو سب خیرات کر دیا جائے یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے، الگ سے دی جائے۔ [2]

قربانی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے معمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے، [3] اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دستِ مبارک سے ابوطلحہ انصاری اور ان کی بیوی ام سلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس میں بیٹھے، عنایت فرمائے، اور باقی ابوطلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے [4] اس کے بعد آپ ﷺ مکّہ معظّمہ تشریف لائے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا اس سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب سے متعلق تھی، چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، یا بنی عبدالمطلب اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ

[1] زادالمعاد ۲۔۵۹ [2] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب یتصدق بجلود الھدی
[3] مسند احمد ۶۔۱۰۰ [4] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب ماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم النحر، ای یرمی ثم ینحر،

مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئیں گے، تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا، [1] حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا، آپ ﷺ قبلہ رُخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا [2] پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا کی [3] بقیہ ایام تشریق یعنی ۱۲ رذی الحجہ تک آپ ﷺ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی، ہر روز زوال کے بعد رَمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آجاتے،[4] ۱۳ رذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ ﷺ نے یہاں سے نکل کر وادی محصّب میں قیام کیا، اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔[5] پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانۂ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی،[6] اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا، اور آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی، صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کوکبۂ نبوی مدینہ منورہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ، صحیح البخاری، باب السقایۃ،

[2] صحیح البخاری، کتاب الشرب، باب الشرب قائما

[3] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب ابواب الافاضۃ یوم النحر

[4] زادالمعاد ۲۔۲۹۰، صحیح البخاری، باب رمی جمرۃ العقبۃ

[5] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب طواف الوداع، وباب من صلی العصر یوم النحر بالأبطح

[6] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الحج

میں داخل ہوا، اور مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے: [۱]

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہٗ الحمد، وھو علی کل شيء قدیر، اٰئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَ ھَزَمَ الاَحْزَابَ وَحْدَہٗ.'' [۲]

''خدا بزرگ و برتر ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لئے حمد وستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آرہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، فرمانبردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ کر، اپنے پروردگار کی حمد وستائش میں مصروف ہو کر، خدا نے اپنا وعدہ سچ کیا، اپنے بندے کی نصرت کی اور تمام مقابل کو تنہا شکست دی۔''

وفات

﴿اِنَّکَ مَيِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّيِّتُوْنَ.﴾ (زمر)

روح قدسی کو عالم جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیہ نفوس کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچ جائے،

---

[۱] تلخیص از سیرۃ النبیؐ ۲۔۱۵۹ تا ۱۶۹ [۲] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب النزول بذی طوی، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب مایقول اذا قفل من سفر الحج وباب التعریس بذی الحلیفہ

حجۃ الوداع میں یہ فرض اہم ادا ہو چکا، توحید کامل اور مکارمِ اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ:[۱]

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ،﴾

''آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی۔''

سورہ نصر کا نزول خاص خاص صحابہ کو آنحضرت ﷺ کے قرب وفات کی اطلاع دے چکا تھا، اور آپ ﷺ حکم ربانی ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ.﴾ (نصر) کے مطابق زیادہ اوقات تسبیح وتہلیل میں بسر فرماتے تھے۔[۲] آپ ﷺ عموماً ہر سال رمضانِ مبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے، لیکن رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے، سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ ﷺ پورا قرآن ناموس اکبر کی زبانی سنتے تھے، لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا[۳] حجۃ الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں، بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں، شاید اس کے بعد حج نہ کر سکوں[۴] حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمان کو اپنے فیض

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، سیرۃ النبیؐ ۲۔۱۷۰

[۲] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر ''اِذا جاء نصر اللہ''

[۳] صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کان جبرئیل یعرض القرآن علی النبیؐ

[۴] صحیح مسلم کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ

دیدار سے مشرف فرمایا، اوران کو حسرت کے ساتھ وداع کیا، شہداءاُحد جو ''بَلْ هُمْ أَحْيَاءٌ'' کے مژدۂ جانفزا سے فیضیاب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانہ میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اوران کے لئے دعائے خیر فرمائی اوراس رقت انگیز طریقہ سے ان کو وداع کیا کہ جس طرح ایک مرنے والا اپنے اعزہ کو وداع کرتا ہے،اس کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا:

''میں تم سے پہلے حوض پر جارہا ہوں، اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھے خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کروگے، لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔ اوراس کے لئے آپس میں کشت وخون نہ کروتو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ، جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔''

راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سُنا۔[1]

۱۸ر یا ۱۹ر صفر ۱۱ھ میں آدھی رات کو آپ ﷺ جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا تشریف لائے، تو مزاج ناساز ہوا، [۱] یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا، پانچ دن تک آپ ﷺ اس حالت میں ازراہِ عدل وکرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے، دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں، خلقِ عمیم کی بناء پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا، دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کا تھا، ازواجِ مطہرات نے مرضیٔ اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپؐ جہاں چاہیں قیام فرمائیں، ضعف اس قدر ہو گیا کہ چلا نہیں جاتا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے۔[۲]

آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، سر میں درد تھا، اس لئے سر میں رومال باندھ کر آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ "والمرسلات عرفاً" قرأت فرمائی۔[۳] عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضور ﷺ کا انتظار ہے، لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، پھر

---

[۱] مستدرک حاکم ۳-۵۷

[۲] و [۳] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ

اٹھنا چاہا کہ غش آ گیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا، آپ ﷺ نے پھر غسل فرمایا، اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا، اور لوگوں نے وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا، پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی، جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابو بکر نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ! ابو بکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں، آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا، آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں، چنانچہ کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی۔

وفات سے چار دن پہلے ظہر کی نماز کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پا کر حضرت ابو بکرؓ پیچھے ہٹے آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی، آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔[1]

نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ دیا، جو آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ و وفاتہ

”خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کر لے یا خدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کر لے، لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں، یہ سن کر ابوبکرؓ رو پڑے، لوگوں نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ ﷺ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، یہ رونے کی کون سی بات ہے، لیکن رازدار نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ ﷺ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا سب سے زیادہ میں جس کی دولتِ صحبت کا ممنون ہوں، ابوبکرؓ ہیں، اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے، مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔[1] ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبر کو عبادت گاہ بنالیا ہے، دیکھو! تم ایسا نہ کرنا“ [2]

زمانۂ علالت انصار آپ ﷺ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گذر ہوا، انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی انہوں نے بیان کیا کہ حضور کی صحبتیں یاد آتی ہیں، ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت ﷺ سے

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قول النبیؐ ”سدوا الابواب الا باب ابی بکرؓ“

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ، وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المساجد علی القبور

واقعہ بیان کیا، آج اس کی تلافی کا موقعہ تھا، اس لئے اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:

"یاأیھاالناس" (اے لوگو!) "میں انصار کے معاملہ میں وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے، لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے، جیسے کھانے میں نمک وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں، جو تمہارے نفع ونقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہئے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو ان کو معاف کرے۔" [1]

اوپر گزر چکا ہے رومیوں کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت ﷺ نے تجویز کیا تھا، اس کی سرداری اسامہؓ بن زید کو تفویض فرمائی تھی، اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا، آنحضرت ﷺ نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:

"اگر اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ زیدؓ کی سرداری پر بھی تم معترض تھے، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔" [2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب الانصار

[2] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث اسامہؓ

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے، پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الٰہی کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچادے، چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک ہوچکی تھی، اور اس کے نتائج پیش نظر تھے اس لئے ارشاد فرمایا:

''حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔''

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے یہاں کے لئے کچھ کرلو میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔''

خطبہ سے فارغ ہوکر آپ ﷺ حجرۂ عائشہؓ میں تشریف لائے، آپ ﷺ کو حضرت فاطمہؓ زہرا سے بے حد محبت تھی (اثنائے علالت) ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کان میں کچھ کہا تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی مرض میں انتقال کروں گا، جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ

سے آکر ملو گی تو ہنسنے لگی۔ [1]

یہود و نصاریٰ نے انبیاء کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی، وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی، اسلام کا فرضِ اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا، اس لئے حالتِ مرض میں جو چیز سب سے زیادہ پیش نظر تھی یہی تھی، اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھیں، اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبودوں کا اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنالیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔ [2] عین کرب کی شدت میں جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے:

"لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰىٰ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ." [3]

''یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔''

اسی کرب و بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ

[2] صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور

[3] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ

رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔[۱]

مرض میں اِشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی، جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا، حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ ﷺ نے (صبح کے وقت) پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز میں مشغول تھے، دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپ ﷺ باہر آنا چاہتے ہیں، فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو امام تھے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور حجرۂ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے۔[۲]

یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہؓ نے جمالِ اقدس کی زیارت کی، حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے۔[۳] یعنی سپید ہو گیا تھا۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ ﷺ پر غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا، حضرت فاطمہ زہرہؓ یہ دیکھ کر بولیں ''واکرب اباہ'' (ہائے میرے باپ کی بے چینی،) آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا باپ آج کے بعد

---

[۱] مسند احمد ۶۔۴۹ [۲] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ و وفاتہ
[۳] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام

بے چین نہ ہوگا۔[۱] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو ترجیح دیں، اس حالت میں اکثر آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے۔

﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.﴾ ''ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا''

اور کبھی فرماتے:

﴿اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الأَعْلىٰ.﴾ ''خداوندا بڑے رفیق ہیں''

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔[۲]

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ خدمتِ اقدس میں آئے، آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، حضرت عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپ ﷺ کرنا چاہتے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی، اور خدمت اقدس میں پیش کی، آپ ﷺ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی،[۳] آپ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آرہا تھا، سہ پہر تھی،[۴] سینہ میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی،

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ [۲] ایضاً [۳] ایضاً

[۴] ابن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی لیکن حضرت انس بن مالک سے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ اغلام یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی، حافظ ابن حجر نے دو روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی۔

اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے۔ ۱

"الصّلوٰةَ وَما ملکتْ أیمانُکم." "نماز اور غلام"

پاس پانی کی لگن تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے، چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے، اتنے میں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اَللّٰھمّ الرفیق الأعلیٰ "اور اب وہ بڑا رفیق درکار ہے۔"

یہی کہتے کہتے رُوح پاک عالمِ قدس میں پہنچ گئی۔ ۲

﴿اللّٰھمّ صَلِّ عَلَیْهِ وَ عَلیٰ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ صَلوٰةً کَثِیْراً کَثِیْراً.﴾

تجہیز و تکفین

عقیدتمندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس دنیا کو الوداع کہا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔ ۳

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے تمام صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور ﷺ کا اس جہاں سے تشریف لے جانا یقینی تھا، اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔ ۴ تجہیز و تکفین کا کام سہ شنبہ کو شروع ہوا، یہ خدمت

---

۱ مستدرک حاکم ۳۔۵۹

۲ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاته

۳ سیرة ابن ہشام ۲۔۶۵۵ ۴ سیرة ابن ہشام ۲۔۶۶۲

خاص اعزہ واقارب نے انجام دی، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے پردہ کیا، اور حضرت علیؓ نے غسل دیا، حضرت عباسؓ بھی موقعہ پر موجود تھے۔ ١

غسل وکفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ ﷺ کو دفن کہاں کیا جائے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے، چنانچہ نعش مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرۂ عائشہؓ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا۔ ٢

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کو کسی میدان میں اس لئے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ ﷺ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں، میدان میں اس کی دار وگیر مشکل تھی۔ ٣

حضرت ابوطلحہؓ نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی، جو لحدی بغلی تھی۔ ٤

جنازہ تیار ہوگیا تو لوگ نماز کے لئے ٹوٹے، جنازہ حجرے کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے، پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز پڑھی، لیکن کوئی امام نہ تھا۔ ٥

---

١ سیرۃ ابن ہشام ۲۔۶۶۲

٢ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب وفاۃ النبیؐ

٣ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب وفاۃ النبیؐ

٤ سیرۃ ابن ہشام ۲۔۶۶۳ ٥ سیرۃ ابن ہشام ۲۔۶۶۴

جسم مبارک کو حضرت علیؓ، حضرت فضلؓ بن عباسؓ، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا۔ [1]

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ صَلَاۃً وَسَلَاماً دَائِمَیْنِ مُتَلَازِمَیْنِ اِلیٰ یَوْمِ الدِّیْنِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن.

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجنائز